بچوں کا اسلام

۱۱۶۷

ہر اتوار کو روزنامہ اسلام کے ساتھ شائع ہوتا ہے

اتوار ۲۵ جمادی الثانی ۱۴۴۶ھ
مطابق ۲۹ دسمبر ۲۰۲۴ء

پاکستان کا سب سے زیادہ شائع ہونے والا بچوں کا مقبول ترین ہفت روزہ

خوش رنگ انار

قیمت: ۴۰ روپے

aci
Blood Bgone
Blood Stain Remover
خون کے دھبے مٹانے کا واحد اسٹین ریموور
Imtiaz پر دستیاب ہے
LADIES WEAR | CLOTHING | BEDSHEETS | CARPETS / SOFA

القرآن

سود خوروں کے خلاف اعلانِ جنگ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر تم واقعی ایمان والے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر تم ایسا نہ کرو گے تو تمھارے لیے اللہ اور رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے اور اگر تم توبہ کرو گے تو تمھیں اپنی اصل رقم واپس لینے کا حق ہے، نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ ہی تم پر ظلم کیا جائے۔ (سورۃ البقرہ: آیت ۲۷۸-۲۷۹)

الحدیث

سود خوری سے بچو

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو۔'' عرض کیا گیا: ''یارسول اللہ! وہ کون سی چیزیں ہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، جس جان کو اللہ نے حرام کیا ہے اسے ناحق قتل کرنا، یتیم کا مال ہڑپ کر جانا، سود کھانا، میدانِ جنگ سے بھاگ جانا اور پاک دامن، بے خبر اور مومن خواتین پر تہمت لگانا۔'' (بخاری)

گزشتہ سے پیوستہ

دستک

خوف اور بزدلی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

پچھلے ہفتے ایک محترمہ کی جناب اشتیاق احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے ناولوں اور ان کے کرداروں پر تنقید کے حوالے سے بات ہوئی، آج اسی بات کو مکمل کرتے ہیں۔

صحابہ کرام جیسے جری اور دین کے لیے کسی بات کی پروا نہ کرنے والے جی داروں کے لیے بھی ایسے مواقع آئے ہیں کہ بشری تقاضے کے طور پر اُن کے دل بھی کسی انتہائی ہولناک صورتحال میں گھبرائے بھی ہیں مثلاً غزوہ حنین!

یہ گھبرا جانا اور احتیاطی تدابیر اختیار کرنا بھی بہادری کے منافی نہیں ہوتا، جیسے سیرت میں مذکور ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین زرہ پہنتے تھے بلکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تو دو زرہ پہن کر میدانِ جنگ میں تشریف لے جاتے تھے۔

ڈر کا بالکل محسوس نہ ہونا ایک مریضانہ کیفیت ہے، جس میں ایک خاص ہارمون دماغ میں پیدا نہیں ہوتا، جس سے انسان اتنا بے خوف ہو جاتا ہے کہ اسے کسی قسم کا خوف ہی محسوس نہیں ہوتا، سو بالآخر ایسا مریض بہت جلد اپنی حماقت آمیز بہادری کے ہاتھوں موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔

ہمیں بچوں کو یہ حماقت آمیز بہادری نہیں سکھانی جسے آج کل (Dare) کہا جاتا ہے۔ ایسے بہادروں اور ان کی حماقت آمیز ''بہادریوں'' سے انٹرنیٹ بھرا ہوا ہے۔

کوئی شودا بائیک ایک پہیے پر چلا رہا ہے، کوئی شوخا شیر کے دانت گنتے ہوئے ویڈیو بنوا رہا ہے، کوئی بدبخت صاحب قبر کو قبر میں بھی چین نہیں لینے دے رہا، بے چارے کی قبر میں گھس، تصویر کشی فرما رہا ہے، کوئی احمق زنجیروں اور چھریوں سے خود کو مار رہا ہے۔

نیز کوئی صاحبہ کیمرے کے سامنے ناک سے سانپ ڈال منہ سے نکالنے کا ہنر بے بدل دنیا کو دکھا کر شودوں منچلوں سے خوب داد سمیٹ رہی ہیں۔ دوسری مگرمچھوں کو آن لائن شو میں لا کر اُن سے کھیل رہی ہیں، تیسری تیزی سے آتی ریل کے سامنے پٹری پر کھڑی سیلفی بنا رہی ہیں۔

جی نہیں؛ بحیثیتِ مسلمان ہمارا تصورِ بہادری بالکل الگ ہے۔

ہمارے ہاں بلند ہمتی اور جوانمردی ایک تو وہ مطلوب ہے جو ایمان کی وجہ سے ہو اور ایمان کے لیے ہو۔

دوسرے ذہانت کے ساتھ ہو، حماقت کے ساتھ نہیں۔

ایک ذہین مسلمان تو اقدام اور دفاع دونوں کی اہمیت کو سمجھتا ہے۔

ضرورت پڑے تو حکمت کے ساتھ ایک قدم پیچھے بھی ہٹتا ہے، دوسروں کی شرائط پر صلح بھی کرتا ہی تاکہ درپیش صورتحال میں اپنے ساتھیوں کو، اپنی قوت کو بچا سکے اور بعد میں بھرپور فائدہ اٹھا سکے۔

صلح حدیبیہ اور حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعات سمیت ایسے متعدد واقعات ہیں۔ ایک صحابیِ رسول کافر بادشاہ کی پیشانی کو بوسہ دے رہے ہیں تاکہ اپنے ساتھیوں کو بحفاظت بچا کر لاسکیں۔ کوئی آج کا ناقد ہوتا تو ان پر بھی طعن کستا مگر امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے جواب میں آپ کے ماتھے کو بوسہ دیا۔

ہمارے ہاں ہمت و بہادری اور جوانمردی کسی بھی ناگہانی میں واویلا کرنے، بے صبری دکھانے اور جزع فزع کرنے کی بجائے اپنے اعصاب پر قابو رکھنا اور ہمت سے اس کا مقابلہ کرنے کا نام ہے۔ کوئی آزمائش آئے تو واویلا کرنے کی بجائے عزیمت دکھانا اور اس پر جم جانے اور تعریف و تنقیص ہر دو صورتوں میں اپنے جذبات پر خصوصاً غصے پر قابو پا لینے کا نام ہے۔

اب اس تعریف کے آئینے میں ہم دیکھتے ہیں کہ اشتیاق احمد کے کردار کسی بھی ناگہانی میں واویلا نہیں کرتے۔ فرزانہ رونے نہیں لگتی، ترکیبیں سوچتی ہے، فاروق اپنی شوخی قائم رکھتا ہے، سبھی اپنے اعصاب پر قابو رکھتے ہوئے ہمت سے مقابلہ کرتے ہیں اور اس طرح کہ عین مقابلے کے وقت بھی اخلاقیات کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔

کسی بھی ادیب کے کام پر ناقدانہ نظر ڈالنا کوئی بری بات نہیں، ظاہر ہے اس سے جناب اشتیاق احمد، جناب ابن صفی، جناب مظہر کلیم سمیت کوئی ادیب بھی مستثنیٰ نہیں، مگر اس کے لیے بہرحال وہ صلاحیت ہونی چاہیے جو ایک ناقد کے پاس ہوتی ہے، جو افسوس محترمہ کے پاس نہیں!

اس کے لیے ایک عدد ''فیصل'' کی ضرورت ہے!

والسلام

محمد فیصل شہزاد

میرا سوہنا شہر

پھول نگر

اخت عمر مشتاق۔ پھول نگر

پھول نگر پنجاب کے مشہور ضلع قصور میں واقع ہے۔ اس کی تحصیل پتوکی ہے۔ پھول نگر کا پرانا نام بھائی پھیرو ہے۔ ایک روایت کے مطابق گاؤں کے سردار پھیرو کے نام پر یہ علاقہ بھائی پھیرو مشہور ہوگیا۔

۱۹۷۰ء میں یہاں رانا پھول نامی ایک صاحب الیکشن جیتے تھے، انھوں نے ۱۹۹۰ء میں اس علاقے کا نام پھول نگر رجسٹر کروالیا۔ ۲۰۱۷ء کی مردم شماری کے مطابق یہاں کی کل آبادی ۵ لاکھ کم وبیش ہے یہ لاہور سے ۵۷ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

پھول نگر ایک کاروباری شہر ہونے کے ساتھ ساتھ علم پرور شہر بھی ہے۔ یہاں کی منڈی اطراف کے دیہاتوں کی آمدنی کا ذریعہ ہے۔ یہاں کے لوگوں کا ذریعۂ معاش زراعت ہے لیکن وقت کے ساتھ لوگوں کا رجحان کاروبار کی طرف بڑھ رہا ہے۔

یہاں کی زیادہ تر پیداوار گندم اور سبزیاں ہیں جو پاکستان کے ہر شہر جاتی ہیں۔ پھول نگر کے اردگرد ۲۵ کے قریب دیہات ہیں۔

لوگوں میں دینی اور عصری تعلیم کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے۔ اس کے لیے یہاں پر بہت سے دینی مدارس قائم کیے گئے ہیں۔ ان مدارس میں سب سے بڑا مدرسہ جامعہ مظاہر العلوم المدینہ ہے جو ضلع کا سب سے بڑا مدرسہ ہے۔ اس کی بنیاد حضرت مولانا محمد

عبداللہ درخواستی، محدث کبیر مولانا سید حامد میاں، فاضل جلیل مولانا عبدالحکیم رحمہم اللہ تعالیٰ نے ۱۹۶۵ء میں رکھی۔

یہاں کا عصری تعلیمی معیار بھی بہت بلند ہے۔ یہاں دو سرکاری پرائمری مڈل اسکول واقع ہیں۔ اس کے علاوہ دو کالج ڈگری اور پنجاب کالج واقع ہے۔ ان میں پڑھنے والے طلبہ کی تعداد ایک اندازے کے مطابق ۱۰ ہزار تک ہے۔ یہاں مخلوط تعلیم کا رواج نہ ہونے کے برابر ہے۔ اب دیہات کے لوگ پڑھائی پر توجہ دیتے ہیں، اس لیے بہت بڑی تعداد میں پرائیویٹ اسکول بھی بنائے گئے ہیں، جس میں دارِارقم، دی نالج، جے ڈبلیو، الرحمن ایجوکیشنل بہت مشہور ہیں۔ پھول نگر میں بہت بڑی تعداد میں صحی مراکز موجود ہیں۔

ادبی میدان میں ڈاکٹر سید اختر، ڈاکٹر عبدالخالق عبدالرشید اور حمید نظامی یہاں کے

مشہور ادیب ہیں۔

پھول نگر کے رہنے والے محنتی ہیں۔ انھوں نے گھروں میں جوتے بنانے والے کارخانے لگائے اور اہل خانہ کے ساتھ مل کر کام کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہوزری کا بے شمار سامان اس علاقے میں تیار ہوتا ہے، اس کے لیے اب مستقل کارخانے اور فیکٹریاں بنائی جا رہی ہیں۔ یہاں کے بازار میں بننے والی اُجالا سلائی مشین اچھی کارکردگی کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔

یہاں کے تفریحی مقامات میں ڈبل اسپیڈ پارک مشہور ہے لیکن لوگ اپنا فارغ وقت دریائے راوی کے کنارے یا جھیل چھانگا مانگا کے قریب گزارنا پسند کرتے ہیں۔ جھیل چھانگا مانگا پھول نگر سے صرف ۱۵ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

یہاں کے لوگوں کی زبان پنجابی ہے۔ ویسے تو اس علاقے میں ہر ذات خاندان آباد ہے لیکن رانا راجپوت اور مغل قوم کی تعداد زیادہ ہے۔

یہاں کی الشفیع کی مٹھائی اور بابے کے پکوڑے بہت مشہور ہیں۔

تو قارئین حضرات، لکھاری بہن بھائی اور مدیر چاچو کب آ رہے ہیں ہمارا سوہنا شہر پھول نگر دیکھنے؟

ہم آپ سب کو یہاں کا مشہور دیسی ساگ کھلائیں گے۔

☆☆☆

خط کتابت کا پتا: دفتر روزنامہ اسلام، ناظم آباد، کراچی bkislam4u@gmail.com, 021 366 099 83

ادارہ روزنامہ اسلام کی تحریری اجازت کے بغیر بچوں کا اسلام کی کوئی تحریر کہیں شائع نہیں کی جاسکتی۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق رکھتا ہے۔

سالانہ زرتعاون: اندرون ملک 2000 روپے بیرون ملک ایک میگزین 25000 روپے دو میگزین 28000 روپے انٹرنیٹ: www.dailyislam.pk

جاوید بسام

کڑوے پھلوں کی شاخ

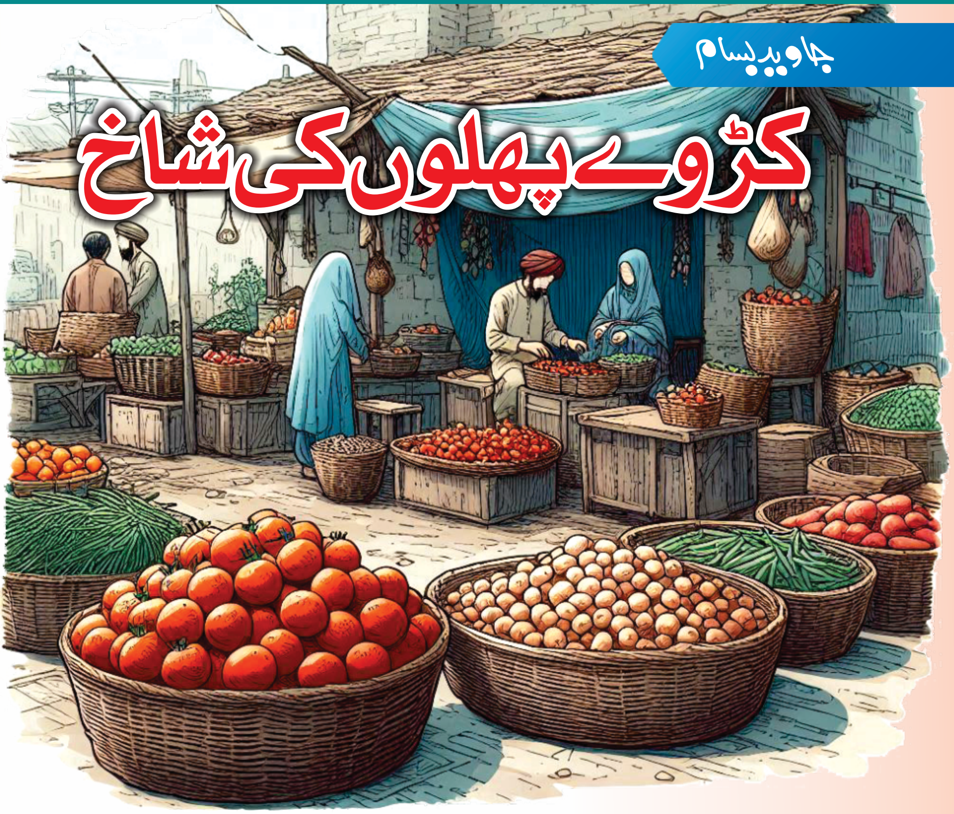

جونہی صبح ہوتی سبزی منڈی میں چہل پہل شروع ہوجاتی۔ سبزی فروش تازہ سبزیاں گاڑیوں میں بھر کر لاتے اور اپنی اپنی دُکانوں میں سجا کر بیٹھ جاتے۔ کچھ دیر میں گاہک آنا شروع ہوجاتے۔ وہ آوازیں لگا کر اُنھیں اپنی طرف متوجہ کرتے اور اپنی چیز کی تعریف کرنے لگتے۔

اسلم اور اکرم بھی سبزی منڈی کے دکان دار تھے۔ وہ دونوں سبزی فروش اور ایک دوسرے کے پڑوسی بھی تھے، مگر ان میں بہت فرق تھا۔ اسلم ایک ایمان دار آدمی جبکہ اکرم چالاک اور لالچی تھا۔ وہ پیسہ کمانے کے لیے کوئی بھی حربہ استعمال کرسکتا تھا۔ ایک دن اکرم کی آلو کی بوری اور اسلم کی ٹماٹروں کی ٹوکری آپس میں باتیں کرنے لگیں۔

آلو کی بوری بولی: ”تمھارا مالک بہت بے وقوف ہے۔“

”کیوں، کیا ہوا؟“ ٹماٹر کی ٹوکری نے پوچھا۔

”وہ گاہک کو ہمیشہ اس کی مرضی کا سودا دیتا ہے۔“ آلو کی بوری نے کہا۔

”یہ تو اچھی بات ہے۔“ ٹماٹر کی ٹوکری نے فخر سے کہا۔

”کیا خاک اچھی بات ہے، وہ اپنا نقصان کررہا ہے۔ میرے مالک کو دیکھو وہ ہوشیاری سے گلی سڑی سبزیاں بھی گاہک کو دے دیتا ہے۔“ آلو کی بوری بولی۔

”دراصل اسلم! ایک ایماندار آدمی ہے۔“ ٹماٹر کی ٹوکری نے کہا۔

”ایسی ایمانداری کس کام کی اور مجھے تو ایمانداری اور بے ایمانی ایک ہی درخت کی دو شاخیں لگتی ہیں۔“ بوری نے اپنی جہالت بھگاری۔

ٹوکری کو ہنسی آگئی۔ وہ بولی:

”اوہ اچھا، مگر ایک پر میٹھے پھل لگتے ہیں اور دوسرے پر کڑوے۔“

بوری اس کے طنز کو نہ سمجھی اور بولی: ”آخر اسلم اتنا سادہ کیوں ہے؟“

”میں نے سنا ہے ہر ایماندار آدمی، اندر سے ایک بچہ ہوتا ہے۔“ ٹوکری نے کہا۔

بوری نے قہقہہ لگایا اور بولی: ”دکانداری کرنا بچوں کا کام نہیں، انھیں تو کھیل کود کرنا چاہیے۔“

ٹوکری بولی: ”بھئی تمھیں کیا، وہ جس طرح بھی کام کرے؟“

”ہاں مجھے کیا...... بس یہ ہے کہ ایک دن اسے دکان بند کرنا پڑے گی کیوں کہ دنیا ہوشیاروں کی وجہ سے چل رہی ہے، بے وقوفوں کی وجہ سے نہیں۔“ بوری کی باتیں سن کر ٹوکری مسکرا کے خاموش ہوگئی۔

☆☆

منڈی میں بہت بھیڑ تھی۔ لوگ خوب خریداری کر رہے تھے۔ اسلم اور اکرم بھی مصروف تھے، ساتھ ہی آوازیں بھی لگا رہے تھے۔ ایک آدمی نے اکرم سے دو کلو پیاز لیے، جو اُس نے بوری میں سے خود چھانٹے تھے۔ اکرم نے وزن کیا تو کچھ کم تھا اُس نے اپنے آگے سے چند خراب پیاز اُٹھائے اور ترازو میں ڈال دیے۔ وزن پورا ہوگیا اور گاہک کو پتا بھی نہ چلا۔ پھر ایک بچے نے اس سے ٹماٹر لیے...... اکرم نے اس میں بھی پچکے ہوئے ٹماٹر شامل کر دیے، ایک عورت نے چند سبزیاں خریدیں اور کہا:

”اچھا...... تھوڑی سی ہری مرچیں بھی ڈال دو۔“

اکرم نے کہا: ”مرچیں کم از کم دس روپے کی ملیں گی۔“

”بہت سے دُکان دار، مرچیں مفت دے دیتے ہیں۔“ عورت نے کہا۔

”خالہ! مفت میں کیسے دیں...... مرچیں بہت مہنگی ہوگئی ہیں۔“

”پھر دوسرے دکان دار کیسے دیتے ہیں؟“ عورت بحث کرنے لگی مگر اکرم نے اُسے مرچیں نہیں دیں۔ آخر اُسے خریدنی پڑیں۔

اسی وقت برابر کی دکان پر اسلم اپنے گاہکوں کو دوسری سبزیوں کے ساتھ مرچیں اور ہرا دھنیا بھی مفت دے رہا تھا۔ لوگ خوشی خوشی اُس سے سودا خرید رہے تھے، جب بھیڑ کچھ کم ہوئی تو آلو کی بوری اور ٹماٹر کی ٹوکری پھر باتیں کرنا شروع ہوگئے۔

بوری نے کہا: ”دیکھو...... یہ کیا بے وقوفی ہے، تمھارا مالک مفت چیزیں بانٹ رہا ہے۔“

ٹوکری مسکرا کر بولی: ”یہ اس کی حکمت عملی ہے، اس طرح وہ اپنے گاہک بناتا ہے، آئندہ وہ اس سے ہی سودا لیں گے۔“

”لیکن اس میں نقصان ہے۔“ بوری نے تبصرہ پیش کیا۔

”بڑے فائدے کے لیے چھوٹے نقصان کی کیا حیثیت؟“ ٹوکری نے کہا تو آلو کی بوری منہ بنا کر خاموش ہوگئی۔

دن گزرتے رہے دونوں دکان داروں کا کام ٹھیک چل رہا تھا۔ وہ ایک گنجان آباد علاقہ تھا، سب اچھا کماتے تھے، جب شام کو ان سب کا مال بک جاتا اور دونوں آمدنی کا

بولتی سیریز

چھوٹی عمر کے بچوں کے لیے خوب صورت اور بہترین تحفے

◄ دل چسپ۔۔ رنگا رنگ۔۔ منفرد۔۔ دیدہ زیب۔۔ تفریحی مطالعاتی کتب/ Readers
◄ بچپن سے ہی کتب بینی اور مطالعہ کا شوق پیدا کرنے والی کتابیں ◄ صحت بخش سبزیوں اور پھلوں کے بارے میں مفید معلومات
◄ صحت مند رہنے کے لیے قدرتی غذاؤں کے استعمال کی ترغیب ◄ بولتی سبزیاں، بولتے پھل اور بولتی کتاب بچوں کے لیے دل چسپی کا سبب
◄ خوب صورت تصویری مناظر اور سرگرمیوں سے بھرپور سیریز

3 سے 5 سال کے بچوں کے لیے

رعایتی قیمت
305/-

تین کتابوں کا سیٹ

بیتُ العِلم (الوقف)

خود بھی مطالعہ کیجیے اور متعلقین کو تحفے میں دے کر کتاب دوست بنائیے۔

کراچی، سندھ +92-309-2228082/89/94 لاہور، پنجاب +92-306-0142297 خیبر پختون خوا +92-309-2228078 بلوچستان +92-309-2228084

برائے تجاویز +92-322-2583196 گھر پر منگوانے کے لیے maktababaitulilm www.mbi.com.pk

حساب کر رہے ہوتے تو بوری، ٹوکری کو ٹہوکا دیتی اور بتاتی کہ دیکھو میرے مالک نے آج خوب کمائی کی۔ ٹوکری بھی کسی سے پیچھے رہنے والی نہیں تھی۔ وہ کہتی میرے مالک کی آمدنی بھی کل سے زیادہ ہے۔

پھر ایک دن سب کچھ بدل گیا۔ وہ صبح کا وقت تھا۔ منڈی میں لوگ خوب خریداری کر رہے تھے کہ اچانک محکمہ ناپ تول کے کچھ اہلکار وہاں چلے آئے اور دکان داروں کے ترازوؤں کی جانچ پڑتال کرنے لگے۔ اسلم اور اکرم دکان داری میں مصروف تھے۔ کچھ دیر بعد اہلکار ان کی دکانوں تک آ پہنچے۔ پہلے اُنھوں نے اسلم کا ترازو دیکھا اور اسے درست پایا پھر وہ اکرم کے پاس آئے، اکرم اُنھیں دیکھ کر کچھ پریشان ہو گیا۔ وہ ترازو کی جانچ کرنے لگے۔ جلد ہی اُنھیں پتا چل گیا کہ اکرم نے اس کے ساتھ کچھ گڑبڑ کر رکھی ہے۔ وہ کم تولتا تھا، اُنھوں نے ترازو اپنے قبضے میں لے لیا اور اکرم کو جرمانے کی رسید بنا کر دی اور کہا کہ اب جب تک وہ نیا ترازو نہ لے، کام نہیں کر سکتا۔ اکرم چپکے چپکے ان سے کچھ باتیں کرنے لگا، اچانک محکمہ ناپ تول کا اہلکار غصے میں آ گیا۔ اس نے اپنے ساتھ آنے والے سپاہی کو اشارہ کیا...... وہ آگے آیا اور اکرم کو پکڑ لیا۔

اہلکار بولا: ”تم نے نہ صرف کم تولنے والا ترازو استعمال کیا ہے بلکہ پکڑے جانے پر مجھے رشوت کی پیش کش بھی کی ہے۔“

ان میں تکرار ہونے لگی، شور سن کر وہاں لوگ جمع ہو گئے۔ وہ سب روزانہ منڈی میں خریداری کے لیے آتے تھے اور اکثر اکرم سے سبزی بھی خریدا کرتے تھے۔ لوگ اُس کے متعلق آپس میں چہ مگوئیاں کر رہے تھے۔ ٹماٹر کی ٹوکری نے آلو کی بوری کی طرف دیکھا، مگر وہ اس سے نظریں چرائے کہیں اور دیکھ رہی تھی۔ اکرم کی دکان بند کر دی گئی۔ سپاہی اسے اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اگلے دن معلوم ہوا اکرم کو دو مہینے کی سزا ہو گئی ہے۔

دو مہینے بعد اکرم جیل سے چھوٹ کر آیا تو اس نے دوبارہ کام شروع کیا، اس نے نیا ترازو خرید لیا تھا۔ چند دن ہی گزرے تھے کہ اسے پتا چل گیا کہ اب وہ پہلے کی طرح آمدنی حاصل نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ اب اس کے پاس بہت کم گاہک آتے تھے۔ اس نے اپنا اعتبار کھو دیا تھا۔ آخر کچھ دن بعد اسے دکان بند کرنی پڑی۔

آخری دن آلو کی بوری ٹماٹر کی ٹوکری سے بولی:

”بہن......! تم ٹھیک کہتی تھیں، بے ایمانی کی شاخ پر ہمیشہ کڑوے پھل لگتے ہیں۔“

☆☆☆

ایک ہفتے میں قرآن کریم کا حفظ!

منقول ہے کہ جب امام محمد بن حسن شیبانی حضرت امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ تعالیٰ کی خدمت میں علم فقہ پڑھنے کے لیے گئے تو امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ تم پہلے قرآن مجید حفظ کر لو پھر میرے پاس آؤ، چنانچہ امام محمد ایک ہفتہ غائب رہے پھر آٹھویں دن امام ابوحنیفہؒ کی درس گاہ میں حاضر ہو گئے۔

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ میں نے تم سے قرآن مجید حفظ کرنے کو کہا تھا۔ تم پھر یہاں کیوں چلے آئے؟

امام محمد نے عرض کیا کہ حضور والا میں نے آپ کے حکم کے مطابق قرآن مجید حفظ کر لیا، اس لیے حاضر ہو گیا ہوں۔

مرسلہ: اویس احمد، لیاری

محمد فضیل فاروق

کھیل اور ہم

کہتے ہیں بچوں کی ٹانگوں میں، جوانوں کے بازوؤں میں اور بزرگوں کے دماغ میں زور ہوتا ہے، مگر آج کل کے بچوں پر یہ کہاوت غلط محسوس ہوتی ہے، اور اگر معاملات اسی طرح رہے تو آگے چل کر یقیناً بڑے بھی اس کا مصداق نہیں رہیں گے۔

☆......☆

''فلائٹ نمبر ٹی-اے ۵۱۵ پی آئی اے کے طیارے کے مسافروں سے آخری بار گزارش کی جاتی ہے کہ وہ جلد از جلد گیٹ نمبر ۹ سے جہاز پر تشریف لے آئیں۔''

میں جیسے ہی ہوائی اڈے کے مرکزی ہال میں امیگریشن کروا کر داخل ہوا میرے کانوں سے اِس اعلان کی آواز ٹکرائی۔

گھڑی پر نظر پڑی تو جہاز اڑنے میں صرف دس منٹ باقی تھے۔ میں اپنے کندھے پر لٹکا ہوا چھوٹا سا ہینڈ کیری سنبھالتا ہوا سیدھا گیٹ نمبر ۹ کی طرف سرپٹ دوڑ پڑا۔

ارد گرد لوگ مجھے ایسی عجیب نظروں سے دیکھنے لگے، جیسے میں کوئی مجسمہ تھا جو کھڑے کھڑے تھک جانے کے باعث اب اچانک چوکڑیاں بھرنے لگا ہوں۔

تھوڑی ہی دیر میں، میں گیٹ نمبر نو کے سامنے کھڑا اپنا ٹکٹ اور پاسپورٹ چیک کروا رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر آفیسر نے اتنی دیر سے آنے پر پہلے تو خوب پانی پی پی کر سنائیں، پھر اندر جانے کا اشارہ کیا۔ میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا راہداری سے ہو کر جہاز میں داخل ہوا اور اپنی سیٹ ڈھونڈ کر اس پر ڈھے گیا۔

میرے ساتھ والی سیٹ پر ایک بڑی عمر کے بزرگ براجمان تھے جو اونگھ رہے تھے۔

ابھی میں بیٹھا ہی تھا کہ اچانک میری شیشے کے ٹوٹنے والی چھنا کے دار رِنگ ٹون جہاز میں گونجنے لگی۔ بڑے میاں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے اور خونخوار نظروں سے مجھے گھورنے لگے۔

میں نے فوراً جیب سے موبائل نکال کر کال اٹھالی۔ دوسری طرف امی تھیں جو پوچھ رہی تھیں کہ میں جہاز پر پہنچ گیا یا ابھی تک رستے میں ہی ہوں۔

''جی جی امی! الحمدللہ بیٹھ گیا جہاز میں۔''

''آدھا گھنٹا گھر سے جلدی نکلنے میں تم لوگوں کو موت پڑتی ہے؟ نکل جاتی فلائٹ تو۔''

امی نے اپنے مخصوص نصیحتی انداز میں غصہ کرتے ہوئے کہا۔

''ارے کیسے نکل جاتی؟ پیسے دیے ہیں کوئی فری میں تھوڑی جا رہے ہیں، اُن کے معزز پیسنجر ہیں، اگر تاخیر ہو جاتے تب بھی انھیں ما بدولت کے انتظار میں رکنا پڑتا۔''

میں نے بھی اپنا شوخ چہکتا ہوا انداز اپناتے ہوئے کہا۔

''اچھا اچھا آیا بڑا ما بدولت! کسی دن چھوٹ جائے گا ناں جہاز، نکل جائے گی ساری دولت بھی ساتھ ہی۔'' میں امی کے خوبصورت جواب پر مجھے بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

''اچھا سنو! پتا ہے ناں تمھیں نانی جان کے گھر دعوت ہے آج رات کو؟ تم تقریباً مغرب کے وقت پہنچو گے اِس لیے ہوائی اڈے سے سیدھا نانی جان کے گھر ہی پہنچ جانا، ہوائی اڈے کے قریب ہی ہے۔ ہم بھی عشاء تک وہاں پہنچ جائیں گے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے، مگر نانی جان کے یہاں دعوت ہے کس بات کی؟''

''ارے تمھیں نہیں پتا، عمار کی منگنی ہو رہی ہے، اُس کی خوشی میں نانی جان نے سب کو دعوت دی ہے۔''

''اچھا چلیں اچھا ہے، تین سال بعد آ رہا ہوں، دعوت کے بہانے سب سے ایک ہی ساتھ ملاقات ہو جائے گی۔'' میں نے کہا اور پھر خدا حافظ کہہ کر فون رکھ دیا۔

فون رکھتے ہوئے مجھے احساس ہوا جیسے دو سرخ آنکھیں سائیڈ سیٹ سے مجھے بہت خطرناک انداز میں گھور رہی ہیں۔

'ارے! یہ بابا جی اِس وقت سے مجھے یوں ہی گھورے چلے جا رہے ہیں کیا؟'

میں نے دل میں سوچا، پھر سر جھٹک کر سر سیٹ پر رکھ دیا اور آنکھیں موند لیں۔

جیسے ہی جہاز نے اڑان بھری میری یادیں بھی تخیل کی فلائٹ سے ماضی کی طرف پُھر سے اڑ گئیں۔

☆......☆

سورج دن بھر کی تھکان کے بعد مغرب کی وادیوں میں روپوش ہو چکا تھا۔ ہم لوگ ابھی ابھی کرکٹ سے فارغ ہو کر فٹ بال اٹھائے 'قیدی قیدی' کھیلنے ہی لگے تھے کہ گھر کے صدر دروازے کے باہر سے گاڑی کا مخصوص ہارن سنائی دیا۔ سب نے تشویش ناک نظروں کا تبادلہ کیا اور پھر ایک لڑکا دروازہ کھولنے چلا گیا۔

ہمیں پتا تھا ماموں جان کی دفتر سے تشریف آوری ہوئی ہے۔

ماموں جان دروازے سے داخل ہوئے، پائیں باغ میں ہم بچے لڑکوں کو کھڑا دیکھ کر بڑی خوش مزاجی سے ملنے لگے۔ اُن کے چہرے پر ایک خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ وہ باری باری سب سے مصافحہ کر رہے تھے کہ اچانک اُن کی نظر باغ کے ایک کونے میں جم کر رہ گئی۔ چند ثانیے وہ کسی لکڑی کے بے حس و حرکت مجسمے کی طرح ساکت وہاں تکتے رہے پھر ان کے لب ہلے: ''یہ پپیتے کے درخت کا سر کہاں گیا؟''

گارڈن کے کونے میں ماموں جان نے چند ہی دنوں پہلے ایک قد آدم پپیتے کا درخت لگوایا تھا۔ پپیتے کا درخت بہت ہی نازک ہوتا ہے، اس کا ایک پتلا شاخوں سے خالی تنا ہوتا ہے جس نے سر پر پتوں کی ایک ٹوپی پہن رکھی ہوتی ہے۔

ماموں جان کی نظریں اِس پر اُس لیے جم گئی تھیں کہ اس درخت کی ٹوپی غائب تھی اور صرف اکیلا 'سر کٹا' تنا یوں کھڑا تھا جیسے کسی نے صحرا میں ایک بانس لا کر گاڑ دیا ہو۔

''یہ...... یہ کس نے کیا؟''

ماموں جان نے ایک بار پھر پوچھا اور مشکوک نظروں سے عمار کو دیکھنے لگے۔

عمار نے فوراً خود کو بری کرتے ہوئے میری طرف انگلی تان دی۔

''اسید نے شارٹ مارا تھا اور گیند اس پر جا لگی۔''

ماموں جان کی نظریں میری طرف پھر گئیں، اور میری نظریں زمین میں گڑ گئیں۔

ماموں جان مجھے چند لمحوں تک بے بسی اور جھلاہٹ سے دیکھتے رہے اور یہ لمحے میری زندگی کے مشکل ترین لمحے تھے۔ اتنی دیر میں ہماری امیاں بھی آ کھڑی ہوئیں۔

ماموں جان بے چارے غصہ پیتے ہوئے اندر کی طرف بڑھ گئے۔ اُن کا موڈ بری طرح آف ہو چکا تھا۔

ان کے جاتے ہی امیاں ہم پر برس پڑیں:

''بیٹا! یہ کس طرح کھیلتے ہو تم لوگ؟ کبھی لائٹیں توڑ دیتے ہو کبھی کھڑکیاں، اُس دن کسی نے گاڑی کا شیشہ پھوڑ دیا تھا، اور یہ گارڈن کی گھاس، یہ تو تم لوگ کبھی اگنے نہیں دیتے، سارا ہفتہ تمھارے ماموں جان کا مالی بے چارا اُس پر محنت کرتا ہے، اتوار والے دن تم لوگ آ کر سب کیے کرائے پر پانی پھیر دیتے ہو اور آج یہ......''

ہم خاموش کھڑے سنتے رہے۔ میں نے دل میں سوچا پانی تو گھاس کے لیے مفید ہوتا ہے، اچھا ہے جو پھیر دیتے ہیں۔

امی اور خالائیں غصہ کر کے اندر ماموں جان کو دیکھنے چلی گئیں۔

ہم پر تھوڑی دیر آسیبی سا سکوت طاری رہا، پھر فیض کی آواز آئی:

''چلو تارا کرو، دیر ہو رہی ہے۔''

ریاض نے گیند ہوا میں اچھالی اور یوں قیدی قیدی شروع ہو گیا۔

ہم نے نجانے اِس گھر کا کتنا نقصان کیا تھا، مگر ہم بھی مجبور تھے۔ ہم ہفتے میں ایک بار یہاں کھیل کود کرنے ہی تو آتے تھے، سکون سے ہی بیٹھنا ہوتا تو اپنے اپنے گھروں میں کیا برائی تھی۔ ہماری چھ ہم عمر کزنوں کی جوڑی تھی جو ہر اتوار کو نانی جان کے گھر کے سکون کا شکار کھیلنے پابندی سے نازل ہوتے تھے۔ گویا ہماری آمد سے پہلے، چین ہی چین لکھنے والا راوی اپنا بوریا بستر سمیٹ کر کسی دوسرے جہان ہجرت کر جاتا تھا۔

ہم ظہر کے بعد نانی جان کے گھر وارد ہوتے اور ان کے بڑے سے گارڈن میں کرکٹ شروع کر دیتے۔

کرکٹ میں ایسے منہمک ہوتے کہ ہماری امیاں ہمارے ناموں کی مالا ہی پڑھتی رہ جاتیں کہ 'کھانا کھالو۔۔۔' 'کھانا کھالو' مگر مجال ہے جو کبھی ہمارے کانوں پر جوں رینگی ہو۔ ہاں ان کی آواز تو ہمیں تب آتی تھی جب دو تین گھنٹے کے ان تھک کھیل کے بعد پیٹ میں چوہے دوڑنا چھوڑ کر دھینگا مشتی شروع کر دیتے تھے، پھر جلدی جلدی نوالے حلقوں میں انڈیلے جاتے اور دوبارہ ہم پائیں باغ میں فٹ بال اٹھا کر قیدی قیدی کھیلنے چلے آتے۔

تھوڑی دیر گزرتی اور اِس کھیل سے بور ہو جاتے تو کوئی نیا کھیل شروع کر دیتے۔ 'برف پانی'، 'کھوکھو'، 'چاکلیٹ چاکلیٹ'، اور اسی طرح کہ کئی اور...... پھر اندرونی کمرے میں جا کر ڈارک روم کھیلتے۔ ایک لڑکا باہر جا کر پانچ منٹ انتظار کرتا، پھر اندر آ کر اندھیرے کمرے میں چھپے باقی لوگوں کو ڈھونڈتا۔ یوں ہم ہفتہ بھر بے ترتیب پڑا رہنے والے اس کمرے کی طبیعت سے ترتیب سدھارتے۔

گرمیوں کی چھٹیوں میں ہر اتوار کی شام قریبی جیم خانے کے سوئمنگ پول میں جمع ہوتے اور خوب جمتی جب ملتے سوئمنگ پول میں دیوانے چھ۔

وہاں ہماری اپنے اور ہم عمروں سے بھی دوستیاں ہو جاتی اور ہم ٹیمیں بانٹ کر کوئی نہ کوئی کھیل پانی میں شروع کر دیتے۔ دو تین گھنٹوں کی تیراکی کے بعد ہم میں سے کچھ ٹیبل ٹینس والے کمرے میں جا گھستے تو کچھ اسنوکر کی طبیعت پوچھنے چلے جاتے۔

کبھی کبھی ایک خالہ کے یہاں رات گزاری کا پروگرام بنتا تو وہاں جا کر مونو پولی، لوڈو، پرچی پرچی، بادشاہ کا وزیر کون کا دور چلتا۔

رات کو سب بستروں میں گھس کر بھوتوں کی باتیں کرتے۔ اور اپنی ہی باتوں سے پھر خوف آنے لگتا تو کھڑکیاں بند کر کے اس پر پردے ڈال لیتے کہ واقعی کوئی بھوت 'ہو ہو ہاہا' کرتا اندر نہ گھس آئے اور پھر رات گئے تک خاموش لیٹ کر اِس پراسرار ماحول میں سونے کی کوشش کرتے۔

☆......☆

کئی گھنٹوں کے تھکا دینے والے سفر کے بعد جہاز کراچی ہوائی اڈے پر اترا اور میں انگڑائیاں لیتا، گردن مسلتا، سر سہلاتا اپنا سامان لیے باہر نکلا۔ وہاں سے ایک ٹیکسی لے کر سیدھا نانی جان کے گھر پہنچا۔

وہ فرسودہ سا کالے رنگ کا جہازی سائز کا پھاٹک میرے سامنے تھا، جس کے بوڑھے خدوخال مجھے مسکراتے ہوئے اپنا استقبال کرتے محسوس ہوئے۔ اِس دروازے سے ہماری کتنی یادیں جڑی تھیں۔ انھی یادوں پر میں نے اپنے ہاتھ سے دستک دی۔ دروازہ کھلا تو ماموں جان کا ہمیشہ کی طرح مسکراتا چہرا نمودار ہوا۔

بہت گرم جوشی سے بغل گیر ہوئے اور مجھے اندر والے مہمان خانے کی طرف لے آئے۔

درمیان میں میری نظر اُس پائیں باغ پر پڑی جو ہماری وجہ سے ہر وقت اجڑا رہتا تھا مگر آج تو اس پر ہری بھری گھاس لہلہا رہی تھی۔ قسما قسم کے خوبصورت پودے ہواؤں کے جھونکوں کے ساتھ رقصاں تھے۔ رنگ برنگے پھول سر اٹھائے فضاؤں کو معطر کر رہے تھے۔ باغ کو دلھن کی طرح سجا ہوا دیکھ کر مجھے بڑی حیرت ہوئی۔

باغ کی رونقیں تو بچوں سے ہوتی ہیں، جہاں وہ ہنستے کھیلتے، لوٹ پوٹ ہوتے ہیں۔ حقیقت میں مجھے آج یہ باغ بڑا اداس لگا۔ اس کے باقی لوازمات تو پورے تھے، مگر ان لوازمات سے کھیلنے والا کوئی نہ تھا۔

مگر مجھے حیرت تھی، ہمارے بعد اک نئی نسل بھی تو پیدا ہوئی ہو گی جنھیں ہمارے بعد اس جگہ کا گدی نشین بننا تھا، ان کے کوئی آثار کیوں دکھائی نہیں دیتے......؟!

اُن کی ہماری طرح اس خاندانی باغ سے کیوں نہ گاڑھی نہ چھنتی تھی؟ گھر میں ان کے شور وغل کے ترنم کیوں مفقود ہیں۔

یہ گھر جسے رونقوں کا گہوارہ ہونا چاہیے تھا کیوں سناٹوں کا استعارہ بنا ہوا ہے؟

میں پہلے نانی جان نانا جان کے کمرے میں جا کر اُن سے ملا، ڈھیروں دعائیں سمیٹیں، پھر اس کمرے کی طرف ہو لیا، جس میں ہم لڑکے محفل جمایا کرتے تھے۔

میں جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا ایک بچے کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی:

''مارو اسے پکڑ کر! دشمن کہیں کا...... ہمارے علاقے میں گھس آیا ہے۔''

''ہاں ایسا سبق سکھاؤ کہ نانی یاد آ جائے۔'' دوسرے نے تائید کی۔

میں نے چونک کر دیکھا کہ کون ہے بھئی جو مجھے میری ہی نانی کے گھر پر نانی یاد دلانا چاہتا ہے، مگر جو منظر میں نے سامنے دیکھا اس نے میرے سارے سوالوں کے جوابات دے دیے۔

سامنے لگے اس روایتی پلنگ پر جہاں ہم ڈارک روم کے دوران مورچے بنایا کرتے تھے آدھے درجن بچے دو دو تین تین کی ٹولیوں میں موبائل کی اسکرین میں منہ گھسائے بیٹھے تھے۔ اور وہ مجھے نہیں بلکہ المعروف 'پب جی' میں موبائل کے اندر ہی کسی کو دشمن گردان رہے تھے۔

میں اپنا سامان کا بیگ ایک کونے میں رکھ کر حمام میں تازہ دم ہونے چلا گیا۔

کسی بچے نے بھی میرے کمرے میں داخل ہونے کا نوٹس نہیں لیا تھا۔

غسل خانے میں شاور لیتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اس موبائل نے تو بچوں کو جسمانی کھیلوں سے ہی دور کر دیا ہے، جس کا بچوں کی ذہنی اور جسمانی نشوونما میں بڑا دخل تھا بلکہ صرف کھیلوں ہی سے نہیں، کتابوں میں چھپی جادوگریوں سے بھی ناآشنا کر دیا۔ کیا صرف اس ایک دہائی میں کھیلوں میں اتنا فرق آ گیا تھا کہ بچوں کی ٹانگوں سے زور نکل کر ہاتھوں اور زبانوں میں پہنچ گیا......!؟

خوش رنگ انار

احمد سدیس۔کراچی

موسم سرما شروع ہو چکا ہے اور اس موسم کا ایک پھل انار بازار میں اپنی رونق دِکھا رہا ہے۔انار کا شمار جنت کے پھلوں میں ہوتا ہے۔انار کو قدرت نے دل کش رنگوں سے مزین کیا ہے جو ہر دیکھنے والے کو بے ساختہ اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔انار نہایت خوش مزا، رسیلا پھل ہے۔عام طور پر اس کی تین قسمیں ملتی ہیں:

(۱) قندھاری انار (۲) بدانہ انار

(۳) دیسی انار۔

۱۔قندھاری انار: بدخشاں کی طرح سرخ اور دانے دار۔اس کے دانے بھی یاقوتی سرخ ہوتے ہیں، لیکن ذائقہ کھٹا میٹھا ہوتا ہے۔

۲۔بدانہ انار: اس کا چھلکا سوکھا ہوا ہوتا ہے، دانوں کی رنگت بھی زیادہ سرخ نہیں ہوتی لیکن اس کا ذائقہ شیریں ہوتا ہے۔

۳۔دیسی انار: اس کے چھلکے مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔اس کا ذائقہ انتہائی ترش ہوتا ہے۔

انار غذائی لحاظ سے اتنا بھر پور پھل ہے کہ دنیا میں دستیاب صحت کے لیے سب سے زیادہ فائدہ مند پھلوں میں سے ایک ہے۔اس میں اتنی بڑی تعداد میں نباتاتی مرکبات موجود ہوتے ہیں جو دیگر غذائی اشیا میں نہیں ہوتے۔تحقیقی رپورٹس میں ثابت ہوا کہ انار کھانے کی عادت جسم کے لیے متعدد فوائد کا باعث بنتی ہے جس سے مختلف امراض کا خطرہ کم ہو سکتا ہے۔

انار میں لحمیات، شکر، کیلشیم، فولاد اور فاسفورس کے اجزا پائے جاتے ہیں۔اس وجہ سے یہ غذائی کمی کا شکار لوگوں کے لیے ایک عمدہ ٹانک ہے۔انار کے دانوں کے ایک کپ میں ۲۴ گرام شکر اور ۱۴۴ کیلوریز بھی ہوتی ہیں، مگر اس سے ہٹ کر بھی متعدد طاقتور نباتاتی مرکبات اس پھل کا حصہ ہیں۔خصوصاً انار میں موجود دو بہت طاقتور نباتاتی مرکبات ہیں جو اسے صحت کے لیے بے حد مفید بناتے ہیں۔

اس پھل میں دو منفرد اجزا ایسے ہوتے ہیں جو اس کو صحت کے لیے بہت زیادہ مفید بناتے ہیں۔ان میں سے ایک (Punicalagins) نامی اینٹی آکسیڈنٹ مرکب ہے جو اس پھل کے جوس اور چھلکوں میں پایا جاتا ہے۔یہ انار کے جوس میں اتنا زیادہ طاقتور ہوتا ہے کہ سبز چائے کے مقابلے میں تین گنا زیادہ اینٹی آکسیڈنٹ سرگرمیوں کو متحرک کرتا ہے۔

دائمی ورم متعدد سنگین امراض کی جڑ ثابت ہوتا ہے جن میں امراض قلب، کینسر، ذیابیطس ٹائپ ٹو، الزائمر اور موٹاپا قابل ذکر ہیں۔

انار کی ورم کش خصوصیات اس میں موجود اسی جز (Punicalagins) کی اینٹی آکسیڈنٹ خصوصیات کی وجہ سے ہیں۔

ذیابیطس کے مریضوں پر ۱۲ ہفتوں کی ایک تحقیق میں دریافت کیا گیا کہ روزانہ ۲۵۰ ملی لیٹر انار کا جوس پینے سے ورم کا باعث بننے والے عناصر میں ۳۰ سے ۳۲ فیصد کمی آتی ہے۔جسمانی ورم میں کمی لانے اور مختلف کینسر سے بچاؤ انار غذا میں شاندار اضافہ ثابت ہوتا ہے۔

اسی طرح انار کے بیجوں کے تیل میں موجود (Punicic Acid) امراض قلب سے ممکنہ طور پر تحفظ فراہم کر سکتا ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ بلڈ پریشر بڑھنے سے دل کے دورے اور فالج کا خطرہ بھی بڑھ جاتا ہے۔ایک تحقیق میں دریافت کیا گیا کہ ۱۵۰ ملی لیٹر انار کا جوس دو ہفتے تک روزانہ پینے سے ہائی بلڈ پریشر کے مریضوں میں بلڈ پریشر میں نمایاں کمی آئی نیز جوڑوں کے امراض، ورم، تکلیف میں بھی بہت فائدہ ہوا۔

جن لوگوں کی طبیعت پر مردنی سی چھائی رہتی ہو، انھیں انار کا رس استعمال کرنا چاہیے۔اس سے طبیعت فرحت بخش ہو جاتی ہے۔انار کا رس پیاس بجھاتا ہے، حرارت کم کرتا ہے۔

ذیابیطس ٹائپ ٹو کے مریضوں پر ہونے والی ایک اور تحقیق میں بتایا گیا کہ انار کا جوس پینے سے نقصان دہ کولیسٹرول کی سطح کم ہو جاتی ہے۔

انار میں موجود نباتاتی مرکبات نقصان دہ جرثوموں سے لڑنے میں بھی مددگار ثابت ہوتے ہیں۔مثال کے طور پر یہ ثابت ہوا ہے کہ یہ پھل کچھ اقسام کے بیکٹیریا کے خلاف مزاحمت کرتا ہے۔اینٹی بیکٹیریل اور اینٹی فنگل کش خصوصیات سے بھی منہ کے ورم اور انفیکشن سے تحفظ ملنے کا امکان ہوتا ہے۔

یادداشت بہتر بنائے:

ایسے کچھ شواہد بھی سامنے آئے ہیں جن کے مطابق انار سے یادداشت بھی بہتر ہوتی ہے۔یادداشت کے مسائل کے شکار ۲۸ معمر افراد پر ہونے والی ایک اور تحقیق میں دریافت کیا گیا کہ روزانہ ۲۳۷ ملی لیٹر انار کا جوس پینے سے یادداشت میں نمایاں بہتری آتی ہے۔

غرض قدرت کا یہ حسین تحفہ خوش رنگ اور خوش ذائقہ ہونے کے ساتھ ساتھ ہماری صحت کے لیے بھی اتنا مفید ہے کہ دوسرے غیر اہم اخراجات سے بچت کر کے موسم سرما میں اسے ضرور اپنی روزمرہ خوراک میں شامل کرنا چاہیے۔

☆☆☆

تحفہ

شاہد اقبال

نومبر کی خوشگوار شام تھی۔ موسم بہت ہی پیارا ہو رہا تھا۔ ''عالمگیر ہاؤس'' کو اس روز دلھن کی طرح سجایا گیا تھا۔ پوری کوٹھی کو رنگا رنگ قمقموں سے ڈھک دیا گیا تھا۔ رات کو دن کا سماں تھا۔

کوٹھی کے باہر دور تک گاڑیوں کی قطاریں لگی ہوئی تھیں۔ مہمان خوبصورت اور اعلیٰ کپڑوں میں ملبوس ہنستے مسکراتے تحائف کے ساتھ مرکزی دروازے سے گزر کر اندر داخل ہو رہے تھے۔

دو باوردی ملازم ان کو خوش آمدید کہتے اور وہ اندرونی حصے کی طرف بڑھ جاتے جہاں ایک طویل روش کے بعد اندرونی دروازے پر خود سیٹھ عالمگیر کھڑے ان کا استقبال کرتے اور یوں ساتھ بہت بڑے ہال میں انھیں ان کی کرسیوں تک رہنمائی کی جاتی جہاں اعلیٰ مشروبات اور دیگر لوازمات سے ان کی خاطر مدارت جاری تھی۔

امیر لوگوں کے خودنمائی کرنے کے ہزاروں بہانے ہوتے ہیں آخر شہرت کے لیے ہی تو وہ جیتے ہیں۔ بلاشبہ سیٹھ عالمگیر بھی ایسے امیر کبیر آدمی تھے جو اپنی چھوٹی سی خوشی پر لاکھوں روپے بہا سکتے تھے۔ آج ان کے پوتے کی پہلی سالگرہ تھی اور وہ چاہتے تھے کہ پورے شہر کو پتا چلنا چاہیے کہ ان کے ہاں سالگرہ کی دعوت ہے۔ اخبار اور ٹی وی چینل کے لوگوں کو خصوصی طور پر بلوایا گیا تھا۔

اچانک وہ بری طرح چونک اٹھے۔ ایک مہمان کو دیکھ کر نجانے کیوں ان کا دل یکدم تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔ لگتا تھا کہ وہ کوئی غیر نہیں ہے۔ دیکھنے میں وہ شخص متوسط طبقے کا لگتا تھا۔ مناسب سا قد، چہرے پر داڑھی تھی جس کے اکثر بال سفید تھے۔ یقیناً وہ ان کا ہم عمر ہی رہا ہوگا مگر سیٹھ عالمگیر دولت، آسائشوں اور بال رنگنے کی وجہ سے کم عمر لگتے تھے۔ آنے والے کے ہاتھوں میں ایک بڑا سا ڈبہ تھا جسے بے حد خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ آنے والے نے سیٹھ عالمگیر سے بھرپور طریقے سے مصافحہ کیا اور تحفہ ان کے حوالے کرنا چاہا لیکن سیٹھ عالمگیر کے مخصوص اشارے پر ایک باوردی ملازم نے آگے بڑھ کر تحفہ لے لیا اور ایک جانب تیزی سے بڑھ گیا۔ وہاں ایک میز پر بہت سارے رنگ برنگے تحائف میں ان کا تحفہ بھی رکھ دیا گیا۔

آنے والا مہمان بھی ایک جانب ایک کرسی پر بیٹھ گیا مگر ہر گزرنے والا لمحہ سیٹھ عالمگیر کو الجھن میں مبتلا کر رہا تھا۔ وہ کون تھا؟ شاید کوئی جان پہچان والا؟ پھر انھوں نے سر جھٹک دیا۔ بہت سارے مہمان ایسے بھی تھے جنھیں انھوں نے آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ہوگا کوئی، میں کیوں خود کو ہلکان کروں، وہ پھر آنے والوں کا استقبال کرنے لگے۔ ایک بار تحائف والی میز سے ان کا یونہی گزر ہوا تو وہ ٹھٹک کر رہ گئے۔

پراسرار مہمان کا پیکٹ سب سے الگ ہی نظر آ رہا تھا۔ پیکٹ کے کونے پر چھوٹے سے کارڈ پر ان کی نظر پڑی تو وہ ایک بار پھر بے چین ہو گئے۔ جلی حروف میں لکھا تھا ''صرف سیٹھ عالمگیر کے لیے، منجانب ایک خیر خواہ!''

سالگرہ ان کے پوتے کی تھی تو تحفہ ان کے لیے کیوں؟ ایک لمحے کو انھیں خیال آیا کہ آنے والا مہمان کوئی دہشت گرد ہی نہ ہو اور پیکٹ میں کوئی دھماکہ خیز مواد ہی نہ ہو مگر دوسرے ہی لمحے ان کو اپنا خیال رد کرنا پڑا کیوں کہ ایسی خطرناک صورتحال کے لیے انھوں نے پہلے سے ہی زبردست انتظامات کر رکھے تھے، اگر ایسا کوئی خطرہ ہوتا تو انھیں پہلے ہی خبر ہو جاتی کیوں کہ بہت سے آلات خفیہ طور پر نصب تھے۔ بہر حال اب مزید رکنا سیٹھ کے لیے محال تھا۔ بے قراری بڑھتی جا رہی تھی، انھوں نے پیکٹ کھولنے کا فیصلہ کیا۔

انھوں نے اشارے سے ایک ملازم کو بلایا اور اس کو کچھ ہدایات دیتے ہوئے ایک کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ فوراً ہی مطلوبہ پیکٹ لیے وہ ملازم اس کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ اُدھر پراسرار مہمان عجیب سی نظروں کے ساتھ گہری مسکراہٹ لیے اپنے تحفے والے پیکٹ کو اندر لے جاتا دیکھ رہا تھا جو وقت سے پہلے ہی کھلنے جا رہا تھا اور یہی اس کی بھی خواہش تھی۔ وہ اپنے منصوبے میں پوری طرح کامیاب ہو گیا تھا۔

''بس چند لمحے اور.....'' اس نے سوچا اور اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

سیٹھ عالمگیر نے ملازم کے جاتے ہی تیزی سے پیکٹ کھولنا شروع کر دیا۔ ان کے دل کے دھڑکنے کی آواز انھیں اپنے ہی کانوں میں گونجتی محسوس ہو رہی تھی۔ جونہی انھوں نے ڈبے کا ڈھکن اٹھایا، وہ ساکت سے رہ گئے۔ اندر جوگر بوٹوں کی ایک جوڑی موجود تھی، پرانے اور خستہ حال، جگہ جگہ پیوند لگے ہوئے جوگر، وہ کسی طرح بھی اب پہننے کے قابل نہ تھے مگر کسی نے انھیں شاید کئی سال سے سنبھال کر رکھا تھا۔

''اوہ خدایا!'' سیٹھ عالمگیر ایک صوفے پر ڈھیر سے ہو گئے۔ یہ ان کے اپنے پسندیدہ جوتے تھے۔ بیس پچیس سال پہلے جب وہ کالج میں پڑھتے تھے، ان کی چھوٹی بہن نے میچ جیتنے کی خوشی میں انھیں تحفے میں دیے تھے، اپنی تمام جمع کی گئی رقم سے جو اس نے چھے ماہ کی بچت اور جیب خرچ سے اکٹھی کی تھی اور پیاری بہن کا یہ تحفہ بہت دیر تک ان کے زیر استعمال رہا، کئی مرتبہ مرمت کے بعد بھی کہ بہن کی محبت کی لازوال خوشبو کو وہ خود سے جدا نہیں کرنا چاہتے تھے۔

مگر پھر وقت کی آندھی نے سیٹھ عالمگیر کو ان کی بہن سے دور بہت کر دیا۔ وہ ایک چھوٹے شہر سے بہت بڑے شہر میں چلے آئے۔

حیرت انگیز آفر!
50% OFF
ابوحنظلہ سعدی کی تمام کتابیں آدھی قیمت پر
خوبصورت کتب پر مشتمل کتاب نگر میں خوش آمدید!
ہماری ویب سائٹ پر آرڈر کرنے کا طریقہ:
نوٹ: یہ آفر محدود مدت کے لیے ہے۔
گھر بیٹھے معیاری اور بہترین کتابوں کی خریداری کے لیے ابھی ہماری ویب سائٹ "کتاب نگر" وزٹ کیجیے اور حاصل کریں بے شمار کتابیں وہ بھی حیرت انگیز ڈسکاؤنٹ پر۔
ہزاروں کتابیں ایک کلک پر
ہم نے آباد کیا ہے آپ کے لیے
کتابوں کا ایک نیا جہاں
ابوحنظلہ سعدی کی تمام کتابیں آرڈر کرنے کے لیے ویب سائٹ کے ہوم پیج کے دائیں طرف Categories پر کلک کریں اور پھر "Abu Hanzala Saadi" پر کلک کریں، اپنی مطلوبہ کتابوں کے ٹائٹل کے نیچے "ADD TO CART" کے بٹن پر کلک کرتے جائیں، دائیں جانب بنے باسکٹ کے نشان کے اوپر آپ اپنی منتخب کردہ کتب کی کل قیمت دیکھ سکتے ہیں۔ آرڈر فائنل کرنے کے لیے اُس باسکٹ کے نشان پر کلک کر کے ایک مرتبہ رعایتی بل اور ڈیلیوری چارجز دیکھ کر "CHECKOUT" کے بٹن پر کلک کر دیں۔ اپنا مکمل نام، مکمل پتہ اور رابطہ نمبر کی مکمل تفصیلات درج کر کے "Place Order" پر کلک کر دیں۔ آپ کا آرڈر ہمیں موصول ہو جائے گا۔ کال کنفرمیشن کے بعد آپ کا پارسل پانچ سے سات دن تک ڈیلیور ہو جائے گا۔ شکریہ ویب سائٹ: www.kitaabnagar.com

دولت کی ایسی ریل پیل ہوئی کہ وہ سب کچھ بھول گئے۔ بوڑھے باپ کو، اپنی پیاری بہن کو۔ باپ نے مرنے سے پہلے سختی سے منع کر دیا تھا کہ اس کے دولت مند بیٹے کو ہرگز اس کی موت کی خبر نہ دی جائے، بہن بھی چند سال بعد بیوہ ہوگئی اور یوں کئی سال بیت گئے۔ سیٹھ عالمگیر اس تحفے کو دیکھ کر یوں گم ہوئے کہ انھیں پتا ہی نہ چلا کہ کب وہ پُراسرار مہمان ان کے عقب میں آن کھڑا ہوا ہے۔ کندھے پر ہاتھ کا لمس پا کر سیٹھ عالمگیر مڑے۔

''عالمگیر!'' اس آواز پر وہ بری طرح اچھلے تھے۔ یہ ان کے بچپن کے دوست کمال تھے۔ ''اوہ!'' سیٹھ صاحب کی آنکھیں بے اختیار برس پڑیں۔

''کمال! تم...... تم......'' سیٹھ صاحب کچھ نہ بول پائے اور دوڑ کر کمال کے گلے لگ گئے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے، کسی چھوٹے بچے کی طرح۔ دل کی بھڑاس نکل چکی تھی تو کمال نے یوں بات شروع کی:

''میں کئی سال پہلے بیرون ملک چلا گیا تھا۔ کئی سال بعد وطن لوٹا تو تمھاری تلاش میں بہن ثمینہ کو ملا۔ تم نہیں جانتے وہ کس کسمپرسی کی حالت میں زندگی گزار رہی ہے۔ اتفاق سے وہ بھی اسی شہر میں کرائے کے مکان میں رہتی ہے۔ خودداری آڑے آئی تو چاہتے ہوئے بھی وہ تم سے نہ مل سکی، یوں بھی دولت کی کالی پٹی نے تمھاری بینائی چھین لی تھی اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ اپنی خودداری پر آنچ آنے دے لیکن میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ یوں گھٹ گھٹ کر مر جائے، پھر اس تحفے کے ساتھ میں تمھاری پارٹی میں شامل ہوا۔ دعوت نامہ ایک جاننے والے کے ذریعہ سے با آسانی مل گیا تھا۔ آؤ...... پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے، بہنوں کے دروازے اپنے بھائیوں کے لیے ہمیشہ کھلے رہتے ہیں۔ وہ تمھاری منتظر ہے، جلدی کرو عالمگیر! کہیں مزید دیر نہ ہو جائے۔''

کمال کی آنکھیں بھی نم تھیں۔ خوشی، انمول خوشی اس کے انداز میں نمایاں تھی۔

''کیوں نہیں!''

سیٹھ عالمگیر تیزی سے اٹھے۔ ہال میں آ کر انھوں نے مائیک سنبھالا اور بولے:

''معزز صاحبان! سالگرہ کا کیک کٹنے میں ابھی کچھ وقت لگے گا۔ ایک بہت ہی عزیز مہمان کی آمد ابھی باقی ہے۔ ہم ان کے ہمراہ چند منٹوں بعد حاضر ہوتے ہیں، اللہ حافظ!''

دونوں دوست سب کو حیران چھوڑ کر باہر نکل آئے۔ برسوں بعد ایک بھٹکے مسافر کو منزل ملنے والی تھی۔ ایک بہن کو اس کا کھویا ہوا پیارا بھائی واپس ملنے والا تھا۔

کمال کو یوں لگا گویا عالمگیر ہاؤس کی روشنیوں کی چمک کچھ اور بڑھ گئی ہو۔ خوشیوں اور شادمانیوں کی برسات اس گھر پر برس جانے کو بے قرار تھی اور اب تو چند لمحوں کی دوری باقی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

یہ بس کہاں جائے گی؟

مرسلہ: زرینہ عنایت، پہاڑ گنج

وہ کسی بہانے فوج سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے کئی مہینے اس معاملے پر غور کیا۔ بالآخر ایک تجویز سوجھی۔ وہ ڈاکٹر کے پاس پہنچا اور کہنے لگا۔

''ڈاکٹر صاحب میری نظر بہت ہی خراب ہے بالکل کام نہیں کرتی۔''

ڈاکٹر نے کہا: ''اس کرسی پر بیٹھ جاؤ، پھر تفصیل سے تمھاری بات سنتا ہوں۔''

''کون سی کرسی؟''

ڈاکٹر نے اسے بازو سے پکڑ کر ایک کرسی پر بٹھا دیا اور پوچھا:

''کیا تمھیں کرسی نظر نہیں آتی؟''

''بالکل نہیں۔''

''اچھا اب پانچویں سطر پڑھو۔''

ڈاکٹر نے دیوار پر لگے ہوئے ایک چارٹ کی طرف اشارہ کیا۔

''کہاں سے پڑھوں؟''

''چارٹ کی طرف دیکھو۔''

''کون سا چارٹ؟''

''وہی چارٹ جو سامنے دیوار سے لٹک رہا ہے۔''

''لیکن دیوار کہاں ہے؟''

یہ دیکھ کر ڈاکٹر کو یقین ہو گیا کہ اس کی نظر واقعی ختم ہو چکی ہے اور اسے فوج سے ہمیشہ کے لیے چھٹی دے دی۔

جونہی وہ باہر نکلا اس نے زور سے ایک قہقہہ لگایا۔

وہ بہت خوش تھا۔ وہ نزدیک ہی ایک سرکس دیکھنے چلا گیا۔

جب سرکس ختم ہوا تو وہ یہ دیکھ کر سخت پریشان ہو گیا کہ وہ ڈاکٹر جس نے اسے خراب بینائی کی وجہ سے ڈسچارج کیا تھا، اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا تھا۔

ڈاکٹر نے اسے دیکھ کر پہچان بھی لیا تھا لیکن اس نے کسی قسم کی گھبراہٹ کا اظہار کیے بغیر کہا:

''کیوں صاحب! یہ بس کہاں جائے گی؟''

☆☆☆

ہمّت کا پہاڑ ۲۲

راوی: سیہان انعام اللہ خان مرحوم

تحریر: رشید احمد منیب

وہ صاحب کہنے لگے، تم یہ بتاؤ کہ اسے ڈنڈوں یا سریوں سے کیوں مارا ہے؟

میں کہا: ''آپ موقع پر موجود لوگوں سے پوچھ سکتے ہیں کہ میں نے اسے صرف چند مکے مارے تھے، لیکن کل تو اسے کچھ نہیں ہوا تھا، کہیں آپ لوگوں نے ہی اسے کچھ نہ کیا ہو؟''

یہ سن کر ان صاحب کا غصہ آ گیا۔ کہنے لگے، میں اس کا ماموں ہوں، ہم کیوں اسے ماریں گے؟ کل تو یہ نشے میں تھا۔ یہ عادی شرابی ہے اور ایسا شرابی ہے کہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ یہ نشے میں ہے یا نہیں!

یہ سن کر میرے والد صاحب کہنے لگے: ''پھر تو انعام نے اسے بالکل ٹھیک مارا ہے۔ یہ نشے کی حالت میں میرے بیٹے سے لڑنے آ گیا تھا۔ اس کی پٹائی درست لگی ہے۔ آپ بے شک پولیس میں رپورٹ درج کروا دیں۔''

وہ صاحب پھر جھگڑا کرنا چاہتے تھے لیکن اُن میں سے ایک نوجوان نے حیرت سے پوچھا۔ انکل! آپ نے ان کا کیا نام لیا ہے؟ انعام؟ کیا یہ کراٹے ماسٹر انعام اللہ خان ہیں؟''

والد صاحب نے جواب دیا:

''بیٹا! ماسٹر ہے یا نہیں لیکن اسے کراٹے وغیرہ آتے ہیں۔''

اس نے مجھ سے پوچھا۔ ''بھائی جان! کیا آپ انعام اللہ خان کراٹے ماسٹر ہیں؟''

میں نے کہا: ''جی بھائی ایسا ہی ہے۔''

اب اس نے ان صاحب سے کہا:

''ابو! آپ رہنے دیجیے۔ انعام اللہ خان کو ڈنڈوں اور سریوں کی ضرورت نہیں ہے۔ چلیں ہم واپس چلتے ہیں۔''

وہ انکل بہت ناراض تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ میں معافی مانگوں لیکن ان کے بیٹے نے کہا کہ معافی ہم کو مانگنی چاہیے، بہر حال ان کا آپس ہی میں اختلاف ہو گیا۔ وہ انکل مجھے برا بھلا کہتے ہوئے اپنے شرابی بھانجے کو واپس لے گئے۔

☆☆☆

جب تک میرے والد حیات تھے، ہمارا گھر مشترک تھا اور راشن کے ڈپو سے گھریلو اخراجات کافی حد تک پورے ہو جاتے تھے۔ والد صاحب کے انتقال کے بعد ہم بھائی رفتہ رفتہ الگ ہو گئے۔

میری پہلی ترجیح کلب تھا۔ کلب کی عمارت میں نے اس انداز میں تعمیر کروائی کہ وہ کبھی رہائشی عمارت نہیں بن سکتی۔ نہ ہی وہاں مارکیٹ قائم ہو سکتی ہے، البتہ گھریلو اخراجات پورے کرنے کے لیے میں نے کلب کے ساتھ دو تین دکانیں بنا لیں تاکہ کلب کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے مجھے گھر کے اخراجات سے پیسے نہ کم کرنا پڑیں۔ دو بیگمات، نو بیٹیوں اور پانچ بیٹوں کے ساتھ ساتھ ہر وقت کی مہمان داری کو چلانا آسان کام نہیں تھا۔ بس

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے یہ ذمے داریاں پوری کروائیں۔ ان سب کاموں کی مصروفیات مجھے سرکاری تقریبات میں جانے کا موقع نہیں دیتی تھیں۔ میں اخبارات اور ٹی وی سے بھی دور رہا۔ اس لیے جو لوگ مجھے نام سے جانتے بھی ہیں وہ مجھے فوری طور پر چہرے سے نہیں پہچان پاتے۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ میں لوگوں کے ساتھ گھومتا پھرتا اور گپ شپ لگاتا رہتا ہوں۔ مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہوتا، اس کے باوجود اسپورٹس میگزین یا کھیلوں کے حوالے سے کام کرنے والے مختلف لوگ ملاقاتیں کرتے رہتے ہیں۔ میری تصاویر اور انٹرویو مختلف رسالوں میں شائع ہوئے ہیں۔ مجھے اتنے زیادہ ایوارڈ ملے ہیں جنھیں رکھنے کے لیے گھر میں جگہ ہی نہیں بچی تھی۔ اس طرح ملک میں مجھے کافی لوگ جانتے ہیں، لیکن جب میں نے روزنامہ اسلام کے لیے لکھنا شروع کیا تو بہت سے لوگوں نے خطوط کے ذریعے پوچھا کہ یہ صاحب اچانک کہاں سے نازل ہو گئے؟ اس سے پہلے یہ کہاں تھے؟ ہمیں پہلے کیوں معلوم نہیں ہوا؟ اب میں اس متعلق کیا کہہ سکتا ہوں؟ میں کوئی اداکار یا گلوکار تو ہوں نہیں جس کی فوراً شہرت ہو جاتی، نہ ہی مجھے اپنی نمائش کا شوق رہا ہے۔ میں تو بس اپنے کام سے کام رکھتا ہوں۔ جو لوگ مجھے جانتے ہیں انھیں معلوم ہے کہ مجھے نمود و نمائش پسند نہیں ہے۔ انسان اپنے کام سے پہچانا جاتا ہے۔ سستی شہرت تو کسی کو بھی مل جاتی ہے۔ میں تو حلیے سے بھی مولوی لگتا ہوں، ہوں بھی مولویوں کی اولاد۔ اس لیے دین و مذہب سے تعلق میری گھٹی میں پڑا ہے۔ بہت سے لوگ جب میرے متعلق سنتے ہیں تو خیال کرتے ہیں کہ اس بندے کی بڑی ٹور ہو گی، شان دار لباس اور حلیے میں ہو گا۔ جب ملنے آتے ہیں تو یہاں ایک مولوی نما آدمی کو دیکھ کر حیران بھی ہوتے ہیں۔ ایک لیڈی صاحبہ نے میرا کافی ذکر سنا ہوا تھا۔ ایک دن فون کیا اور کہنے لگیں کہ آپ کا بہت نام سنا ہے، ملنا چاہتی ہوں۔ میں نے کہا کوئی کام ہے تو بتائیے، صرف ملاقات کا تو کوئی فائدہ نہیں ہے۔ کہنے لگیں کہ کام ملاقات پر بتاؤں گی۔

میں سمجھا کہ شاید اپنے بچوں کے حوالے سے کچھ مشورہ کرنا چاہتی ہوں گی تو کہا بچوں کے متعلق کچھ مشورہ کرنا ہے تو فون ہی پر بات کر لیں۔ بولیں نہیں، میں ملنا ہی چاہتی ہوں۔ میں نے بتایا کہ میں بہت مصروف رہتا ہوں۔ کلب آنا چاہتی ہیں تو آ جائیں۔ دس منٹ کا وقت میں نکال سکتا ہوں۔ وہ مقررہ وقت پر آ گئیں۔ کلب کے سیکرٹری کے ساتھ آفس میں داخل ہوئیں۔ میں ایک دو اساتذہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ہمارا کوئی مشورہ جاری تھا۔ سیکرٹری نے میری طرف اشارہ کیا کہ یہ یہی ہاں ہیں۔

وہ مجھے دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ انھیں ایک مولوی دکھائی دیا تھا جو کرتا، شلوار پہنے، سفید داڑھی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

کہنے لگیں: ''ای انعام اللہ کھان اے؟ فٹے منہ اس کا دا''

یہ کہہ کر وہ واپس ہو گئیں۔

آفس میں موجود سب لوگ حیران رہ گئے اور میں بے اختیار ہنس پڑا۔

مولوی کی اولاد ہوں، دنیا بھر سے لڑا لیکن آخر کار مولوی ہی نکلا۔

جاری ہے

یہ پہلی چوری نہیں!

''دیکھو......! مم...... مجھے معاف کر دو۔ مجھے تھانے نہ لے جاؤ...... یہ میری زندگی کی پہلی چوری ہے۔ میں...... میں توبہ کرتا ہوں۔ آئندہ کبھی چوری نہیں کروں گا۔''

وہ منتیں کر رہا تھا۔ گڑگڑا رہا تھا۔ محلے کے تمام لوگ اس کے گرد مجمع لگائے کھڑے تھے، وہ ایک چور تھا۔ آج صبح شیخ نیاز مند کے ہاں چوری کرتے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔ محلے کا کوئی فرد بھی اسے معاف کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ سب کا مشورہ یہی تھا کہ اسے پولیس کے حوالہ کر دیا جائے۔ اتنے میں جامع مسجد کے امام صاحب آتے نظر آئے۔ لوگوں نے تمام معاملہ ان کے سامنے رکھا۔ تمام بات سن کر وہ بولے:

''نہیں بھئی......! یہ اس کی پہلی چوری نہیں ہو سکتی...... یہ ضرور غلط بیانی سے کام لے رہا ہے۔ یہ ناممکن سی بات ہے کہ یہ اس کی پہلی چوری ہو۔''

''مولانا صاحب! آپ یہ بات اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہیں......؟''

شیخ نیاز مند نے پوچھا۔

''اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بہت ہی غفور رحیم ہیں۔ عموماً انسان کو گناہ کرنے پر کئی بار مہلت دیتے ہیں۔ اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے، بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس نے پہلی مرتبہ چوری کی ہو اور پہلی مرتبہ ہی پکڑا گیا ہو۔ اللہ تعالیٰ بندے کو معاف کرنے کے بہانے ڈھونڈتے ہیں کہ کسی طرح میرا بندہ سیدھے راستے پر آجائے۔ اور جنت میں جانے والا بن جائے۔''

امام صاحب بولے تو وہ چور حیرت سے بول پڑا۔

''اوہ...... یہ...... یہ واقعی سچ کہہ رہے ہیں۔ یہ میری پہلی نہیں بلکہ پانچویں چوری ہے۔ پہلی چار مرتبہ میں پکڑا نہیں گیا، گویا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے چار بار موقع دیا ہے اور اب پانچویں مرتبہ آخر کار پکڑا گیا۔''

اس کی بات سن کر محلے والوں کو بہت غصہ آیا، اور وہ اسے دھکیلتے ہوئے تھانے کی طرف چلے۔

''ایک منٹ ٹھہرو بھئی...... اسے ادھر لاؤ......'' اچانک امام صاحب کی آواز سنائی دی۔

چور کو امام صاحب کے سامنے لایا گیا۔

''دیکھو بھائی! اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے تمہیں چار مرتبہ معاف کر دیا تھا۔ ہم پانچویں مرتبہ بھی تمہیں اللہ کے لیے معاف کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ تمھیں ہدایت عطا فرمائیں۔''

امام صاحب نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ چور ان کے قدموں میں گر گیا اور بولا:

''امام صاحب! میں عیسائی مذہب سے تعلق رکھتا ہوں۔ آپ کی باتیں سن کر اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کو دیکھ کر اب مجھ سے رہا نہیں جا رہا۔ میں سچے دل سے توبہ کرتا ہوں۔ اور مسلمان ہونا چاہتا ہوں: لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ''

اس وقت مجمع میں ایک نوجوان نے نعرہ لگایا۔

''نعرۂ تکبیر......!''

''اللہ اکبر......!'' سب نے یک زبان ہو کر کہا۔

☆☆☆

نگینہ بشیر احمد

واقعہ ''حجرِ اسود'' کا

اچھائیوں کا قحط تھا، عنقا تھیں نیکیاں
مکے میں جلوہ فرما تھیں ہر سُو برائیاں

لوگوں سے کوسوں دور تھا تہذیب کا چلن
سیکھا نہیں کسی نے تھا شائستگی کا فن

فتنہ فساد و خون خرابہ و لوٹ مار
برسوں رہا تھا اہل عرب کا یہی شعار

کھولی وہاں پہ آنکھ جو درِ یتیمؐ نے
بخشا وقار مکے کو ربِ کریم نے

دادا نے اس یتیم کا ذمہ اٹھا لیا
اسمِ گرامی بچے کا احمد رکھا گیا

اپنے ہوں یا پرائے وہ سب کو پسند تھا
کردار اس یتیم کا سب سے بلند تھا

مقبول تھا وہ لوگوں میں ''صادق'' کے نام سے
اس کو ''امین'' کہتے تھے سب احترام سے

جب اک دفعہ مرمتِ کعبہ کے درمیاں
سارے قبیلے ہونے کو تھے دست و گریباں

ہر ایک چاہتا تھا کہ ''اسود'' لگائے وہ
یہ مرتبہ و عزت و اعزاز پائے وہ

یہ بحث بڑھتے بڑھتے طوالت پکڑ گئی
وہ سنگ نصب ہو نہ سکا، شام ڈھل گئی

پھر طے ہوا کہ صبح یہاں جو بھی آئے گا
اس آدمی کا مشورہ ہی مانا جائے گا

صبح سویرے شہر میں داخل ہوا وہ شخص
کردار میں نہیں تھا کہیں جس کے کوئی نقص

سب لوگ اس کو دیکھ کے مسرور ہو گئے
سب اختلاف ورنج و الم دور ہو گئے!

لوگوں نے انؐ کے سامنے رکھا یہ مسئلہ
جو چٹکیوں میں آپؐ نے کچھ ایسے حل کیا

اُن سے کہا کہ ''سنگ'' کو چادر پہ ڈال دیں
سردار ہر قبیلے کے چادر کو تھام لیں!

اس مشورے کو لوگوں نے تسلیم کر لیا
امن و سکوں کے ساتھ یہ جھگڑا نمٹ گیا

سچائی جس کا وصف ہو ملتی ہے اس کو داد
دشمن بھی ایسے شخص پہ کرتے ہیں اعتماد

شمیم فاطمہ

اٹلانٹس پبلکیشنز | محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز کے ناول

ویب سائٹ سے آرڈر کا طریقہ: www.atlantispublications.com.pk سے گھر بیٹھے ناول منگوائیں

اشتیاق احمد کے ناول اور دیگر کتابیں آرڈر کرنے کے لئے ویب سائٹ کے ہوم پیج کے اوپر BOOK SHELF پر کلک کریں اور پھر اپنی پسند کی کیٹگری پر کلک کریں، اپنی مطلوبہ کتاب کے ٹائٹل کے ساتھ ADD TO CART کے بٹن پر کلک کرتے جائیں، آپ اوپر دائیں کونے پر باسکٹ کے نشان پر اپنی منتخب کردہ کتب کی کل قیمت دیکھ سکتے ہیں۔ آرڈر فائنل کرنے کے لئے اس باسکٹ کے نشان پر کلک کر کے ایک مرتبہ رعایتی بل اور ڈلیوری چارجز دیکھ کر CHECKOUT کے بٹن پر کلک کر دیں۔ اپنا مکمل نام، مکمل پتہ اور رابطہ نمبر کی مکمل تفصیلات درج کر کے NEXT پر کلک کریں۔ ادائیگی کے طریقوں میں سے ایک کا انتخاب کر کے PLACE ORDER پر کلک کر دیں۔ آپ کا آرڈر ہمیں موصول ہو جائے گا۔ کال کنفرمیشن کے بعد آپ کا پارسل تین سے سات روز میں ڈلیور ہو جائے گا۔

واٹس ایپ میسج 0348-2568546 | فون 0300-2472238, 0331-4853445

آپ اپنے پسندیدہ ناول facebook.com/InspectorJamshed اور facebook.com/atlantispublications سے بھی آرڈر کر سکتے ہیں۔

ناولوں کے پہلے ایڈیشنز کے نئے پرنٹ، اوریجنل سرورق، اشتہارات اور بچوں کے خطوط کے ساتھ

''ایمرجنسی وارڈ میں ابھی ایک زخمی لایا گیا ہے، اس کی حالت بہت نازک ہے۔ دو گولیاں ٹانگوں میں لگی ہیں اور ایک گول کندھے پر کافی خون بہہ گیا ہے پلیز جلدی چلیے!''

ڈاکٹر عادل ڈیوٹی ختم کر کے گاڑی میں بیٹھ ہی رہے تھے کہ اسپتال کے چوکیدار نے انھیں یہ اطلاع سنائی۔''

ڈاکٹر عادل یہ سن کر فوراً تیز قدموں سے وارڈ کی طرف چل دیے۔

وہ ایک ماہر سرجن تھے، ملک کے مشہور ترین ڈاکٹروں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ ہر امیر وغریب مریض انہی سے علاج کروانا چاہتا تھا کیوں کہ ان کی فیس سب سے کم اور علاج تسلی بخش ہوتا تھا۔

''پولیس کو رپورٹ دے دی گئی ہے؟''

ڈاکٹر صاحب نے اندر داخل ہوتے ہی اپنے معاون ڈاکٹر قیصر سے پوچھا۔

''جی یہ پولیس کی طرف سے ہی داخل کیا گیا ہے۔''

''اوہ اچھا۔''

ان کے عملے نے ابتدائی طبی کارروائی شروع کر دی تھی۔ زخمی کا خون رک گیا تھا اور اب وہ آپریشن تھیٹر کے بیڈ پر تھا۔

ڈاکٹر عادل قریب آئے زخمی کو دیکھا تو ٹھٹک گئے۔ چند لمحے ان پر سکتہ طاری رہا مگر پھر جلد ہی وہ سنبھل گئے اور پھر ان کے ہاتھ پیشہ ورانہ مہارت سے چلنے لگے۔

بہت جلد تینوں گولیاں جسم سے باہر تھیں، مگر زخمی کی حالت کافی نازک تھی کیونکہ سر کی گہری چوٹ کی وجہ سے خون بہت زیادہ بہہ گیا تھا۔

ڈاکٹر صاحب نے سرجری مکمل کر کے خون کی بوتل لگا دی۔ انھیں پورا یقین تھا کہ جلد ہی زخمی شخص خون کی کمی پوری ہونے کی وجہ سے صحت یابی کی طرف لوٹ آئے گا۔

''سر! بہادر آباد کی پولیس فورس نے ابھی کچھ دیر قبل شمالی علاقے میں واقع جنگل میں دہشت گردوں کے خلاف کارروائی کی ہے، انھیں وہاں سرفراز ڈاکو کی موجودگی کی اطلاعات موصول ہوئی تھیں۔ اس آپریشن میں کچھ ڈاکو مارے گئے، اور کچھ بھاگ گئے وہیں کسی کھائی میں یہ شخص ایک اہلکار کو زخمی حالت میں ملا تھا۔ انسپکٹر عفان نے اسے فوراً طبی امداد کے لیے آپ کی طرف بھیج دیا۔'' ڈاکٹر قیصر ڈاکٹر عادل کو تفصیل بتا رہے تھے۔

''ہوں!'' انھوں نے لمبا ہنکارا بھرا۔ انسپکٹر عفان ان کے بچپن کے دوست تھے۔

''انسپکٹر عفان کو فون ملاؤ!'' چند لمحوں بعد ڈاکٹر عادل فون پر انسپکٹر عفان سے کہہ رہے تھے: ''عفان! تم فوراً میرے پاس پہنچو! مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔''

یہ کہہ کر ڈاکٹر عادل نے فون بند کر دیا اور گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔ گھر پہنچتے ہی وہ تیزی سے اندرونی کمرے کے طرف بڑھے، تھوڑی ہی دیر بعد وہ پرانی تصاویر والا البم نکال چکے تھے۔ ایک تصویر کو وہ کافی دیر غور سے دیکھتے رہے پھر وہ بڑبڑائے:

''ہو نہ ہو یہ شیر محمد ہی ہے۔''

اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔

ملازم نے انسپکٹر عفان کی آمد کی اطلاع دی۔

''ٹھیک ہے انھیں ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ!'' یہ کہہ کر وہ پھر البم کی طرف متوجہ ہو گئے۔

☆......☆

"عفان! کیا تم اس شخص کو جانتے ہو؟"

ڈاکٹر عادل نے ایک تصویر پر انگلی رکھی ہوئی تھی۔

"کیسی باتیں کرتے ہو عادل! بھلا یہ بھی کوئی بھولنے والی چیز ہے؟ یہ تو شیر محمد ہے ہمارا کلاس فیلو، اور تمھارا بچپن کا دوست!" نسپکٹر عفان حیران ہو کر بولے۔

"تو پھر یقین کرو کہ جس شخص کو آج تمھارے اہلکار زخمی حالت میں لائے ہیں وہ شیر محمد ہی ہے۔" ڈاکٹر عادل نے گویا دھماکا کیا۔

"کیا کہہ رہے ہو؟" انسپکٹر عفان اچھل پڑے۔ "ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟"

"ایسا ہی ہے میری آنکھیں دھوکا نہیں کھا سکتیں۔"

"اچھا تو پھر ابھی فوراً چلو، مجھے ابھی اسے دیکھنا ہے۔" انسپکٹر عفان کھڑے ہو گئے۔

شیر محمد ڈاکٹر عادل کا سب سے قریبی دوست تھا لیکن آج سے دس سال قبل وہ اچانک کہیں غائب ہو گیا تھا۔ اس کی خبر پھر کسی کو نہ ہو سکی تھی اور آج وہ اس حالت میں ان کے سامنے آیا تھا......!

دونوں دوست آناً فاناً اسپتال پہنچے، تھوڑی ہی دیر بعد دونوں دوست اس بات پر متفق تھے کہ یہ شخص ان کا بچپن کا دوست شیر محمد جیسا ہی ہے۔

"لیکن شیر محمد اور وہ بھی ڈاکو کے روپ میں؟"

یہ چیز ان کی حلق سے نیچے نہیں اتر رہی تھی۔

سرفراز ڈاکو کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ اپنا چہرہ چھپاتا نہیں تھا، گھنی داڑھی مونچھ، اور گنجا سر اس کی پہچان تھی، جب کہ یہ زخمی کلین شیو تھا، اور سر پر ہلکے بال بھی موجود تھے انسپکٹر عفان نے اردگرد مکمل تحقیق کرائی۔ لوٹے جانے والے متاثرہ افراد کو زخمی کا چہرہ دکھایا گیا مگر کسی نے اس کی شناخت نہیں کی۔

زخمی کے چہرے پر داڑھی مونچھ لگا کر بھی دیکھا گیا مگر وہ کہیں سے سرفراز ڈاکو نہیں لگ رہا تھا۔ اب ان کے پاس زخمی کے ہوش میں آنے کا انتظار کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

☆......☆

مسلسل علاج اور دیکھ بھال کے نتیجے میں زخمی نے تیسرے روز ہی آنکھیں کھول دیں لیکن ایک نئی پریشانی آن کھڑی ہوئی۔ سر پر چوٹ لگنے کی وجہ سے اس کی یادداشت چلی گئی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ اسے کچھ یاد نہیں کہ وہ کون ہے، اور کہاں سے آیا ہے؟ لہٰذا بات پھر وہیں آن کھڑی ہوئی کہ اس کی شناخت کیسے کرائی جائے۔

وہ ابھی پوری طرح سے صحت یاب نہیں ہوا تھا اس لیے انسپکٹر عفان اسے پوچھ تاچھ کے لیے پولیس کسٹڈی میں بھی نہیں لے سکتے تھے، البتہ انھوں نے دو پولیس اہلکار تعینات کر دیے تھے۔ اسپتال چونکہ تھانے کے قریب ہی تھا اس لیے وہ خود بھی وقتاً فوقتاً چکر لگاتے رہتے تھے۔

"دیکھو عادل! مجھے لگتا ہے ہمیں غلط فہمی ہوئی ہے، یہ شیر محمد نہیں ہو سکتا اور اگر ہوا بھی تو میں سنبھال لوں گا۔ تم بس یہ بتاؤ کہ یہ کب تک چلنے پھرنے کے قابل ہو جائے گا؟"

انسپکٹر عفان ڈاکٹر عادل کے پاس اسپتال کے روم میں موجود تھے۔

"اچھا ٹھیک ہے جیسے تم کہو۔" ڈاکٹر عادل نے گہرا سانس لیا۔

"میں اسے اگلے ہفتے تمھارے حوالے کر دوں گا۔"

رات کا کوئی پہر تھا جب ڈاکٹر عادل کو اچانک اسپتال سے فون آیا۔ انھیں ایک ارجنٹ آپریشن کرنا تھا۔ رات کا وقت ہونے کی وجہ سے اسپتال میں کافی خاموشی تھی۔ ایمرجنسی وارڈ میں رات کا عملہ کام کر رہا تھا۔ ڈاکٹر عادل کامیاب آپریشن کرنے کے بعد باہر نکلے تو انھوں نے سوچا ایک نظر شیر محمد کو بھی دیکھ لوں۔

وہاں پہنچ کر انھوں نے دیکھا کہ کمرے کا دروازہ لاک تھا اور دونوں اہلکار بیٹھے اونگھ رہے تھے۔ ڈاکٹر عادل نے چابی نکال کر دروازہ کھولنا چاہا تو اچانک ان کے کانوں میں ہلکی سی سرگوشی نما آواز سنائی دی۔

مجھے زخمی ہونے کی وجہ سے سرفراز ڈاکو والا میک اپ اتارنا پڑا، ورنہ علاج کے وقت میک اپ اترتا تو میں شک کی زد میں آ سکتا تھا لیکن تم فکر نہ کرو! اب میں اپنی اصلی شکل میں موجود ہوں اور اس شکل کو میرے ذاتی جاننے والوں کے علاوہ کسی نے نہیں دیکھا اس لیے فی الحال تو میری بچت ہو گئی ہے لیکن انسپکٹر عفان بہت چالاک انسان ہے اگر اس نے باریکی سے تحقیقات شروع کر دیں تو وہ میرے لیے مشکلات کھڑی کر دے گا، اس لیے تم مجھے جلد از جلد یہاں سے نکالنے کی کوشش کرو، میں نہیں چاہتا کہ ان کا یہ شک یقین میں بدلے کہ میں اصل میں شیر محمد ہوں، اور میں ہی سرفراز ڈاکو ہوں۔ اور ہاں کوئی میسیج یا کال اس فون پر نہیں کرنا یہ ایک سرکاری اہلکار کا فون ہے۔"

اتنا کہنے کے بعد آواز آنی بند ہو گئی۔

ڈاکٹر عادل نے دروازے کی جھری دیکھا تو شیر محمد دوسری طرف کی بات سن رہا تھا۔ پھر وہ گویا ہوا: "ڈاکٹر عادل کو کچھ مت کہنا وہ میرا بچپن کا دوست ہے، البتہ انسپکٹر عفان کا کانٹا نکالنا اب ضروری ہو گیا ہے، لیکن تم پہلے مجھے یہاں سے نکالو پھر کچھ پلان کریں گے۔"

ابھی وہ اتنا ہی سن پائے تھے کہ ایک اہلکار کی آنکھ کھل گئی۔

وہ ڈاکٹر صاحب کو یوں دروازے پر کھڑا دیکھ کر بوکھلا گیا:

"ڈاکٹر صاحب آپ یہاں اور اس وقت؟ خیریت تو ہے؟"

ڈاکٹر صاحب نے اسے خالی خالی نظروں سے دیکھا اور کچھ جواب دیے بغیر واپس کمرے میں آ گئے۔ اُن کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ کر قریب رکھے بینچ پر بیٹھ گئے۔ ان کی آنکھیں بند تھیں اور بدن پر ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔ اچانک بند آنکھوں میں ماضی کا ایک عکس دکھائی دیا:

"عادل! پنی امی کے علاج کے لیے یہ پیسے میری طرف سے رکھ لو۔"

اس کے بعد تو جیسے فلم سی چلنے لگی: "عادل یہ پراٹھا میں تمھارے لیے لنچ میں لایا ہوں۔"

"عادل! یہ قلم ابو نے سعودیہ سے بھیجا تھا میرے لیے لیکن میں اسے اپنے بیسٹ فرینڈ عادل کو گفٹ کر رہا ہوں۔"

ڈاکٹر عادل اس سے زیادہ نہ سوچ سکے۔ ان کی آنکھوں سے نکلنے والے آنسوں نے ان کا دامن تر کر دیا تھا۔ انھوں نے کانپتے ہاتھوں سے رسیور اٹھانا چاہا تو دماغ کے کسی کونے میں شیر محمد کی آواز پھر گونجی:

"عادل! یہ کیا کر رہے ہو؟ اپنے دوست کو گرفتار کروا رہے ہو؟ اپنے بچپن کے دوست کے اتنے سارے احسانات کا یہ بدلہ دے رہے ہو؟"

ایک بار ان کا دل زور سے دھڑکا پھر ان کے ہونٹ ہلے:

"نہیں! تم میرے دوست نہیں ہ، وہ تو کسی کو مصیبت میں دیکھ کر خود پریشان ہو جاتا تھا تم نے نجانے کتنی ماں کی گودیں اجاڑی ہیں، کتنے بچوں کو یتیم کیا ہے، تم میرے دوست شیر محمد ہو ہی نہیں سکتے، وہ تو برسوں پہلے مر گیا تھا، تم نے اسے مار دیا، تم ایک قاتل لٹیرے ہو اور ایک قاتل کو اس کے کیے کی سزا ملنی چاہیے۔"

یہ کہہ کر انھوں نے رسیور اٹھا لیا، اور انسپکٹر عفان کے نمبر ڈائل کرنے لگے۔

☆☆☆

☆ ’شہ رگ‘ حماد ظہیر اختتام متاثر کن تھا۔ شجاعت مرزا نے نمائش جیت لی۔ ’مادر مہرباں‘ تنویر پھول ماں کو خراج تحسین پیش کرتی نظم اچھی رہی۔ لیاقت علی تلمبہ کی تحریر ’کنو سرما کا لاجواب تحفہ‘ میں جب یہ پڑھا کہ ’دو چار کلو تو چکھتے چکھتے ہی نکل جائیں گے‘ تو ہائیں کرکے رہ گئے۔ ہم تو اگر دو تین کنو ایک نشست میں کھالیں تو پیٹ فل ہوجاتا ہے کجا کہ دو، چار کلو خیر کنو نامہ ہمیں پسند آیا۔ ’کیا ان میں کوئی بھی عثمان نہیں‘ سعد حیدر خواب غفلت سے جگاتی تحریر تھی۔ ’شمارہ بیتی‘ دستک میں مدیر چاچو ہمیں ایک ہولناک انکشاف بتانے کے بجائے انتظار میں ڈال گئے۔ نوجوان کی قربانی قابل دید تھی۔ ’اچھی خبریں‘ حور عینا بنت محمد الیاس اچھی خبر کے ساتھ موجود تھی۔ ’کہانی میں چھپی ایک کہانی‘ علی اکمل تصور اختتام نے رلا دیا۔ ’ہمت کا پہاڑ‘ اس قسط نے دل خوش کر دیا۔ ’محنت کا سبق‘ محمد ایوب قمبرانی استاد فقیر محمد حیات نے بیکھومل کو بہت ہی اچھا محنت کا سبق دیا۔ آمنے سامنے‘ کے مزیدار تبصرے پڑھ کر مزہ آ گیا۔ قارئین اتنے اچھے الفاظ کا استعمال کرتے ہوئے تبصرے لکھتے ہیں کہ مزہ آجاتا ہے۔ ہمارے پاس تو خوب صورت الفاظ کا ذخیرہ بڑا کم ہے۔ بڑی مشکل سے کھینچ کھانچ کر ذہن کی ٹوکری سے ذخیرہ الفاظ برآمد کرتی ہوں۔ مدیر چاچو کا شکریہ کہ شائع کر دیتے ہیں۔ (حیا احمد۔ کراچی)

ج: آپ کا بھی شکریہ کہ ہمارے لیے اتنی مشکل سے ذہن کی ٹوکری سے الفاظ برآمد کرتی ہیں۔

☆ شمارہ ۱۱۳۸ کا سرورق پر گاؤں کا ماحول بہت پسند آیا۔ مجھے صاف ستھرے گاؤں بہت پسند ہیں پھر آپ کی دستک پڑھی بہت اچھی تھی۔ ’ابراہیم اک سفیر جناں‘ بہت اچھی روداد ہے۔ ’ہمت کا پہاڑ‘ ماشاء اللہ بہت اچھا سلسلہ جارہا ہے۔ آج کل کے نوجوانوں میں ایسا جذبہ ہونا چاہیے۔ ’مانی کی کہانی‘ بہترین تھی۔ اللہ پاک سب کی قربانی قبول فرمائیں۔ ’خالہ میزائل‘ کہانی نے بہت ہنسایا۔ شمارہ ۱۱۳۹ کے سرورق پر عیدالاضحیٰ مبارک دیکھ کر خیر مبارک کہا پھر القرآن اور حدیث پڑھی۔ آپ کی دستک کے بغیر رسالہ ادھورا لگتا ہے۔ سعد حیدر ماشاء اللہ چھا گئے۔ ’میر حجاز‘ کی تعریف کے لیے الفاظ نہیں۔ ’تیسری آنکھ‘ پڑھ کر افسوس ہوا کہ آج کل لوگ غریبوں کا خیال نہیں رکھتے۔ ’درختوں کے نیچے سونا‘ پڑھ کر حیرت ہوئی ہم تو یہی سنتے آئے ہیں کہ جن ہوتے ہیں اس لیے درختوں کے نیچے نہیں سونا چاہیے، آمین۔ (فریحہ مجید۔ راجن پور)

ج: جن کہاں نہیں ہوتے؟ درختوں کے حوالے سے تو بس بات یونہی زیادہ مشہور ہوگئی۔

☆ الماری کھول کر رسالوں کو دیکھ رہی تھیں کہ ایک رسالے پر نظر پڑی ایسے لگا کہ یہ رسلاہ نہیں پڑھا ہوا۔ تاریخ دیکھی شمارہ ۱۱۳۷ تھا۔ دراصل ہمارے امتحان تھے جس کی وجہ سے ہم دو ہفتے بعد گھر آئے رسالہ دیکھا تو وہ ایسے غائب تھا کہ جیسے گدھے کے سر سے سینگ پھر صبر کرلیا اب ملا تو اتنا مزے کا لگا کہ دل کیا کہ اس پر تبصرہ کروں۔ سرورق پر آم نظر آئے۔ ’جنازہ‘ اچھی کہانی تھی۔ مدیر نامہ پڑھ کر بے اختیار ہنس پڑے اور ہمیں بھی مدیر بننے کا شوق چرایا۔ دوستی کا ہاتھ ایک سبق دیتی کہانی تھی جو کہ بہت ہی پسند آئی۔ (حور عینا بنت محمد الیاس۔ ٹھل نجیب)

ج: ’’دل کیا‘‘ نہیں، درست ترکیب ’’دل چاہا‘‘ یا ’’جی چاہا‘‘ ہوتی ہے۔ ویسے واقعتاً کبھی کوئی پرانا رسالہ اچانک سامنے آجائے تو انوکھی سی خوشی ہوتی ہے۔

☆ شمارہ ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰ بالترتیب یہ تینوں شمارے ہمیں پھیکے پھیکے سے لگے۔ پتا ہے کیوں؟ کیونکہ یہ تینوں شمارے ہمارے پسندیدہ سلسلہ ’آمنے سامنے‘ سے مکمل خالی تھے۔ ویسے حیرت تو ہوتی ہے کہ مسلسل تین شماروں میں سے کسی ایک میں بھی کوئی ایک آدھ خط بھی آپ کو شائع کرنے کے لیے نہیں ملا۔ خیر آپ کے کام، آپ ہی جانیں۔ ’مانی کی کہانی‘ بہت اچھی لگی۔ ’مسکراہٹ کے پھول‘ اچھی خوشبو بکھیر رہے تھے۔ تحریر ’اس کے لیے کیا مشکل ہے‘ بہت اثر دکھا گئی۔ آپ کی ’دستک‘ بھی کم نہ تھی۔ ’اک سفیر جنت‘ دل میں اترتی محسوس ہو رہی تھی۔ ’تیسری آنکھ‘ اصلاحی کہانی تھی۔ ’انت ظار‘ تحریر کو ہم نے انتظار پر ہی موقوف کر دیا یعنی اگلی قسط کے انتظار پر۔ ’حرم کے ایک کبوتر کی فریاد‘ حقیقت بیان کر رہی تھی۔ ’بڑوں سے سیکھتے ہیں‘ متوسط سی لگی۔ البتہ محترم مختار احمد۔ ملتان کی روداد نے بہت مسحور کیا۔ ’بہترین بدلہ‘ بہترین تھی۔ پسِ پشت مفید اشتہار تھا۔

(مولانا محمد اشرف۔ حاصل پور)

ج: شائع کرنے کے لیے تو خطوط بہت، بس چونکہ یہ سلسلہ یعنی آمنے سامنے (اور دستک بھی) وقت بہت زیادہ لے لیتا ہے اس لیے جب کبھی کام زیادہ وقت کم ہو تو مجبوراً انھیں چھوڑ دیتے ہیں!

☆ شمارہ ۱۱۴۲ کا سرورق اچھا تھا۔ القرآن والحدیث سے فیض یاب ہوتے ہوئے۔ ’ہمت کا پہاڑ‘ زبردست قسط تھی۔ ’دانائی‘ چھوٹی سی تحریر تھی لیکن جامع تھی۔ ’میر حجاز‘ اچھا جارہا ہے، کتابی صورت میں پڑھنے کا شوق ہے۔ آمنے سامنے کی بابرکت محفل میں میرے ابو جی کے ساتھ ہی آپ نے ہمارا خط بھی شامل کیا۔ آپ کا بہت شکریہ۔ جب آپ ہمارے خط شائع کرتے ہیں تو دیکھ کر دوبارہ خط لکھنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ بہن اقرأ فرید اپنی امی جی کے ساتھ شامل تھیں۔ اخت عمر فاروق اور سارہ حفصہ عبدالرحیم کے جوابات آپ نے اچھے انداز میں دیئے جزاک اللہ۔ ہمارے دل سے تو سا پیارے رسالے کے لیے ہر وقت دعائیں نکلتی رہتی ہیں۔ (منیبہ جاوید۔ احمد آباد، 18 ہزاری، جھنگ)

ج: اور آپ سب کی دعاؤں ہی کی بدولت تو ہر مشکل سے بعافیت نکل آتے ہیں۔ دعاؤں کا یہ سلسلہ سدا جاری رکھنا پیارے بھتیجو بھتیجیو!

☆ شمارہ ۱۱۴۶ کے سرورق پر ایک ٹرک کے ساتھ دو پولیس آفیسر کھڑے دیکھ کر فوراً محترم غلام رسول زاہد کا خیال دل میں پیدا ہوا۔ انڈونیشیا کی تحریر ابو احمد کے قلم سے معلوماتی تحریر تھی۔ آپ اپنی دستک ’ذوالنورین‘ کا وظیفہ کے بارے میں بتا رہے تھے۔ بات واقعی یقین کی ہے۔ عمل کرکے دیکھتے پھر قدرت کا کمال دیکھیں۔ ’انمول غلامی‘ عظمیٰ ابو نصر صدیقی کے قلم سے انوکھے انداز میں لکھی گئی تحریر اچھی لگی۔ مسکر میر حجاز کی قسط شاندار تھی۔ میں اور یہ رسائل مولوی شبیر احمد وہاڑی کا نام جانا پہچانا سا لگا۔ ’کل نے کیا بے کل‘ بینا صدیقی کے قلم سے سبق آموز دہ تحریر تھی۔ بہن ام احمد سعید اور بیٹی اقرأ فرید کے نام جانے پہچانے سے لگتے ہیں اب۔ آمنے سامنے کی محفل میں صرف تین بہن بھائیوں نے شرکت کی۔ (حاجی جاوید ساقی۔ احمد آباد، 18 ہزاری، جھنگ)

ج: کبھی کم کبھی زیادہ، یہی زندگی کا فلسفہ ہے!

☆☆☆

درخت لگانا!

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(مفہوم) جو مسلمان کوئی پودا لگاتا ہے یا کھیتی بوتا ہے اور اس سے کوئی پرندہ یا انسان کھاتا ہے تو وہ اس کے لیے صدقہ جاریہ بن جاتا ہے۔‘‘

یعنی جو کوئی انسان یا حیوان اس درخت یا کھیتی سے فائدہ اٹھائے گا اس کا ثواب لگانے والے کو مسلسل ملتا رہے گا اور یہ اس کے لیے صدقہ جاریہ بن جائے گا۔

(مرسلہ: عبدالمتین، لیاری)

☆☆☆

پاک ایڈ ویلفیئر ٹرسٹ کی خدمات

برائے

پاکستان، غزہ فلسطین

شدید سردی سے ٹھٹھرتے مجبور لوگوں کی مدد کریں

آپ کے عطیات

غزہ، فلسطین

اور پاکستان کے شدید سرد علاقوں

جیسے چترال، گلگت، کشمیر، سوات، اور اسکردو کے ضرورت مند افراد تک پہنچائے جائیں گے۔

نوٹ :
پاکستان کے لیے ضروری سامان بھی عطیہ کیا جاسکتا ہے،
جبکہ غزہ فلسطین کے لیے رقم جمع کی جائے گی

ضروری سامان کی تفصیل

سامان	برائے پاکستان	برائے غزہ
خیمہ (برائے غزہ)		500 ڈالر
ترپال (برائے غزہ)		70 ڈالر
گیس ہیٹر	15000 روپے	150 ڈالر
گرم کپڑے (مرد، خواتین، بچے)	3000 روپے	50 ڈالر
گرم ٹوپی اور دستانے	1000 روپے	10 ڈالر
بستر اور لحاف/سلیپنگ بیگ	6000 روپے	35 ڈالر
کمبل	5000 روپے	25 ڈالر
گرم چادریں	2000 روپے	20 ڈالر
گرم جوتے	3000 روپے	25 ڈالر
جرابیں	300 روپے	5 ڈالر

اپنا حصہ ڈالیں اور کسی بے بس کی زندگی کو آسان بنائیں!

Bank : **FAYSAL BANK**
Account Title : **Pak Aid Welfare Trust**
A/C Number : **3048301900220720**
Swift Code : **FAYSPKKA**
IBAN Number : **PK28FAYS3048301900220720**

www.pakaid.org.pk | info@pakaid.org.pk | +92300-050 9840 | follow us on pak aid welfare trust